تاجدارِ دو عالم

نبی کریمؐ کی سیرت و کردار کی انقلابی تصویر جس کے بعض اہم پہلوؤں کو
اُجاگر کرتے ہوئے آپ کو ہر پہلو سے دنیا کا عظیم ترین بطل اور
بے مثال بہادر ثابت کیا گیا ہے

(مُصنّفہ)

صاحب المعالی عبدالرحمٰن بک عزام

وزیر شئون اجتماعیہ مصر و جنرل سکرٹری عرب لیگ قاہرہ

مترجمہ

ظہوری وجدانی

قیمت
سکۂ کلد..

روپے چار آنہ
سکۂ عالی

طبع اوّل ایک ہزار

جنوری سنہ ۱۹۴۶ء

مطبوعہ

اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن

فہرست

حرفِ اوّل

چودھری محمد اقبال سلیم گاہندری

نفیس اکیڈیمی کو قائم ہوئے ابھی ڈیڑھ سال سے زاید عرصہ نہیں ہوا اس قلیل مدت میں اس ادارہ نے اردو ادب کی نشر و اشاعت کی جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں وہ تاریخ اردو کا درخشاں باب کہلائے جانے کی مستحق ہیں ایک طرف کمیونسٹ ترقی پسند ادب کے تیز رو سیلاب نے اور دوسری طرف قدیم و دقیانوسی ادب کے نادان ناخداؤں کے جمود و خمود نے سفینۂ اردو کو منجدھار میں ڈھکیل دیا تھا جو پیہم حوادث کے تھپیڑے کھاتے کھاتے چور چور ہو گیا تھا۔ اس کش مکش و جانکنی کے عالم میں نفیس اکیڈیمی نے اردو ادب کی اس ناؤ کو منجدھار سے نکال کر ساحلِ مراد تک پہونچانے کی عملی جد و جہد کی اس اثنا میں اس نے اقبالیات پر "تصورات اقبال" — "فکر اقبال" — "حکمت اقبال" — "فلسفۂ عجم" اسلامیات میں "معاشیات اسلام" — "مقام جمال الدین افغانی" — "مقالات جمال الدین افغانی" — "حیات جمال الدین افغانی" — "اسلام کے سیاسی تصورات" — "ذکر جمیل" "مقالات سیرت" — "داستان کربلا وغیرہ وغیرہ" — سیاسیات میں "معاشیات اور پاکستان" — "قائدین کے خطوط" — "تصورات پاکستان" — "تہذیب کی لاشیں" — پاکیزہ افسانوں اور اخلاقی ناولوں میں

"چالیس کروڑ بھکاری" — "تکونہ دیس" — "بھوکا ہے بنگال" — "آجکل کے رومان" "سرنوشت" — "خطا" وغیرہ شایع کی ہیں۔

اب آنحضرت کی سیرت کے ایک انقلابی پہلو "تاجدار دو عالم" کے نام سے نفیس اکیڈیمی کے شاندار دور کا آغاز کیا جارہا ہے جس کو پیش کرنے کا فخر و شرف ہمیں حاصل ہے دنیائے سیرت میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جس میں آنحضرت کی سیرت و کردار کو اور آپ کی زندگی کو بحیثیت ایک بہادر، بحیثیت ایک بطل اور بحیثیت ایک سراپا مجاہد کے پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی نشر و اشاعت کا مقصد و مدعا، آنحضورؐ کے اس انقلابی کردار کے پہلوؤں کو اجاگر کرنا ہے تاکہ پھر سے دنیا میں اخوت و مساوات کا چرچا انسانیت کا بول بالا اور حکومت الٰہیہ کا دور دورہ ہو جائے۔

اس کتاب کے مولف ممالک اسلامیہ کے مرکز یعنی مصر کے ایک ممتاز اور مبصر عالم، امور اجتماعیہ کے وزیر، عرب لیگ قاہرہ کے جنرل سکرٹری اور تمام عالم اسلامی کے ہر دل عزیز فرزند صاحب المعالی ڈاکٹر عبدالرحمٰن بک عزام ہیں۔ آپ نے نشر گاہ قاہرہ سے آنحضرتؐ کی سیرت پر بیدرہ بسیط اور انقلابی شہ پارے نشر کئے، دنیا میں یہ پہلی مثال ہے کہ اس قدر بسیط اور طویل مضامین سلسلہ وار کسی نشر گاہ سے نشر کئے گئے ہوں۔ سیرت کی اکثر و بیشتر کتابیں اور ضخیم سے ضخیم جلدیں بھی موجود ہیں لیکن اس نوعیت کی ایک کتاب بھی اب تک لکھی نہیں گئی جس کو عبدالرحمٰن عزام نے پیش کیا ہے۔ احباب کے تقاضوں پر آپ نے ان تمام مضامین کو یکجا کر کے "بطل الابطال" کے نام سے کتابی صورت میں شایع کیا ہے پیش نظر کتاب "تاجدار دو عالم" اس کتاب کا ترجمہ ہے۔ اس کتاب کے مترجم مولوی ظہوری وجدانی ملک کے ہونہار ادیب اردو، فارسی، عربی کے عالم و ماہر ہیں

موصوف نے ہماری خواہش پر اس کتاب کا ترجمہ کیا۔ موصوف قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے سیرت کی اس بلند پایہ کتاب کا انتخاب کیا اور ترجمہ کی، ان ساری خوبیوں کو جو کتاب کی روح رواں ہیں برقرار رکھتے ہوئے نہایت سلیس، بلیغ اور دل نشین انداز میں ترجمہ کیا ہے۔ ہم اس ہونہار فرزند اور ملک کے دیگر علم دوست اہل قلم سے امید کرتے ہیں کہ اس قسم کی بیش بہا کتابوں کے ذریعہ دنیا کو فیض پہونچائیں گے۔ ہم اس کتاب کو بارگاہ ایزدی میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہوئے دعا کرتے ہیں کہ اس کتاب کے ذریعہ عالم انسانیت اپنے اصل مرتبۂ انعام تک پہونچ جائے۔ آمین۔

بارگاہِ رسالت میں

دیباچۂ مترجم

دنیا میں بہت سے پیغمبر، مصلح، پیشوا اور بہادر پیدا ہوئے، جن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی میدان کا شہ سوار رہا، کوئی سیاست کا پیش رو تسلیم کیا گیا، تو کوئی شجاعت کا امام، کسی نے اقتصادی و معاشی کامیابی حاصل کی، تو کسی نے اجتماعی انقلاب برپا کر دیا، مگر ان میں کسی کو بھی عالمگیر ہمہ جہتی و کامرانی حاصل نہ ہوئی اور وہ ہر میدان کے ہیرو قرار دیئے جانے کے قابل بھی نہ بن سکے۔

نبی اکرمؐ کی ذات ہر حیثیت سے شجاعت کا سرچشمہ اور تمام دنیا کے قائدین و زعماء کی فکری و عملی ترقیوں کا تعمیری پیش خیمہ ہے، اب تک آپ کی ہمہ جہتی شان عظمت کو نمایاں کرنے کے لئے کسی نے بھی آپ کی زندگی پر روشنی نہیں ڈالی۔

"لیلیٰ را بچشم مجنوں باید دید" کے مصداق آپ کی بطولت کا مشاہدہ وہی بطل اپنی آنکھوں سے کر سکتا ہے، جو میدان جنگ میں کھڑے ہوئے اور دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہوئے تلواروں کے رجزیہ نغمے سن چکا ہو، یا سیاسی میدان میں ایک

جری اور بہادر کی طرح اپنی قوت ارادی اور حسن تدبیر سے تمام پیچیدہ گتھیاں سلجھانے کی اپنے اندر استعداد رکھتا ہو، چنانچہ موجودہ دور کے مصری نوجوان زعماء میں عبدالرحمٰن عزام بک نامی ایک ہیرو ایسا بھی ہے، جس میں نبی اکرمؐ کی شجاعت کے مظاہر کی جھلک پائی جاتی ہے۔

عبدالرحمٰن عزام ابھی قانون کے آخری سال میں تعلیم پا رہے تھے، کہ طرابلس کی جنگ کی خوف ناک آوازیں ممالک اسلامیہ کی فضاؤں میں گونجنے لگتی ہیں، مصر کو طرابلس کا ہمسایہ ہونے کی حیثیت سے اپنا حق ہمسائگی ادا کرنا ضروری تھا، اس لئے آپ نے اپنے بڑے بھائی محمد بک عزام سے اس جنگ میں حصہ لینے کی اجازت اور مالی مدد مانگی، محمد بک عزام نے تعلیم کے اختتام تک توقف کرنے کا حکم دیا، آپ بغیر کسی کی اطلاع کے طرابلس روانہ ہو گئے اور مصطفےٰ کمال پاشا کے ساتھ ایک ادنیٰ سپاہی کی حیثیت سے جنگ میں شریک ہو گئے، دوران جنگ ہی میں آپ ترقی کرتے کرتے جنرل کے مرتبۂ عظیم تک پہونچ گئے، طرابلس کی شکست کے بعد آپ اپنے دیگر رفقاء عزیز مصری پاشا، صالح حرب پاشا اور مصطفےٰ کمال پاشا کے ہمراہ جرمن ڈبکنی کشتی (غواصہ) کے ذریعہ ترکی پہونچ گئے، آپ مدت تک ترکی میں مقیم یا نظر بند رہے، فواد اول شاہ مصر کے زمانہ میں قاہرہ تشریف لائے اور آپ یکے بعد دیگرے افغانستان، ایران، ترکی، عراق، اور حجاز کے سفیر رہے، آپ پہلے مصری ہیں، جو مشرق و مغرب کی متعدد زبانوں کے ماہر ہیں، اطالوی، فرانسیسی، جرمن اور انگریزی وغیرہ مغربی زبانوں میں آپ اہل زبان کی طرح لکھتے اور بولتے ہیں، مشرقی زبانوں میں ترکی، فارسی اور افغانی میں کافی مہارت رکھتے ہیں مشرقی ممالک سے آپ کے گہرے تعلقات و روابط وابستہ ہیں، اور وہاں کے

باشندوں میں بھی آپ ہر دل عزیز ہیں، آپ نے مصر کی کئی وزارتیں کامیابی سے سنبھالیں اور فی الحال شئونِ اجتماعیہ (سوشیل لائف کی اصلاح کی وزارت جو مصر کے سوا دنیا کے کسی ملک میں نہیں) کے وزیر ہیں، آپ ہی کی کوشش سے جلالتہ الملک فاروق اول شاہ مصر نے شاہ حجاز ابن سعود سے حجاز جاکر ملاقات کی اور پھر مصر آنے پر اُنھیں رضا مند کیا، آپ ہی کی اَن تھک کوششوں سے عرب لیگ معرض وجود میں آئی، بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے، کہ آپ کا مستقبل مصری سیاست میں بہت درخشندہ اور بہتم بالشان ہے، ایک دن بلاشبہ آپ وزارت عظمیٰ کے عہدہ پر فائز ہوکر رہیں گے، فی الحال آپ تمام وزراء سے کم عمر ہیں، اس کے باوجود دوراندیشی میں ممتاز شمار کئے جاتے ہیں۔

عرب لیگ کی تقویت واشاعت کی خاطر آپ انگلینڈ کا دورہ کر چکے ہیں، وہاں کے زعماء و ارباب اقتدار آپ کی شخصیت سے بہت متاثر ہو چکے ہیں، اور عن قریب امریکہ و روس کا دورہ کرنے والے ہیں۔

قائد اعلیٰ جیش مُرابط

آپ نے متعدد سفارتوں کے فرایض سے سبک دوش ہوتے ہی عام مصریوں کو فوجی تعلیم دینے کی خاطر الجیش المرابط کے نام سے ایک نئی حربی اسکیم تیار کی، تاکہ طلباء اور عام فلاحوں کی، جو حربی کالج سے رسماً متعلق نہیں ہیں، اعلیٰ جنگی تربیت دے سکیں، آپ کی دوربین نظروں نے خداوندان فرنگ کی غاصبانہ چالوں کا اندازہ کر لیا، خوش نصیبی سے آپ کو آپ کے دو قدیم ماہر حرب دوستوں کی تائید حاصل ہو گئی، جنھوں نے اعلان جنگ کے بعد وزارتِ جنگ کی قیادت کرتے ہوئے

مصر کو جنگ کے جہنم میں جھونکنے سے بچا لیا، یہ صاحب المعالی صالح حرب پاشا اور صاحب السعادہ عزیز پاشا مصری کی ممتاز شخصیتیں ہیں، ان تین ماہرین جنگ کی کوششوں سے جیش مرابط کی اسکیم کامیاب ہو گئی، حکومت نے صاحب المعالی عزام بک کو القائد العام للجیش المرابط کے رتبہ سے سرفراز کرتے ہوئے تمام اضلاع پر دورہ کرنے کی اجازت دے دی، آپ نے مذکورۂ بالا دو ساتھیوں کی مدد سے دو سال کے قلیل عرصہ میں مصری فوج کی تعداد بارہ لاکھ تک پہونچا دی، جو اب تک بیس لاکھ سے متجاوز ہو چکی ہے، اور اب وہ وقت آچکا ہے، کہ ترکی وزیر خارجہ کی طرح آپ بھی ببانگ دہل اعلان کر سکتے ہیں کہ مصر کا ہر فرد سپاہی اور ماہر جنگ ہے "

مصر کے ایسے اولوالعزم بہادر اور جنرل نے نبی اکرمؐ کو اس نظر سے دیکھا کہ آپ "استقلال کا پیکر" "شجاعت کے شہ سوار" "وفا کا آئینہ" "زہد و قناعت کا منارہ" "بردباری کا زندہ مجسمہ" "بندگی کا انقلابی پیشوا" "عفو و درگزر کی روشن مثال" "رحمت و رأفت کی روح رواں" "فصاحت و بلاغت کا سرچشمہ" اور سیاست کے امام ہیں، ان میں سے ہر ایک میں آپ کی شجاعت کی شان آشکار رہے، تو اسی جذبہ نے ان کو آمادہ کیا، کہ آپ کی زندگی کی یہ انقلابی تصویر، جیسی کچھ انھوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کی ہے، بعینہٖ تمام دنیا کے روبرو پیش کر دیں، چنانچہ آج سے چھ سال پیشتر آپ نے نشرگاہ لاسلکی قاہرہ سے نبی اکرم کی زندگی کے پندرہ شاہکار اور انقلابی تصویریں تقریری انداز میں نشر کیں، آخر میں یہ تمام جواہر ریزے یکجا کر دیئے گئے اور ان کا نام "بطل الابطال" (تاجدار دو عالم   ) رکھا، جس کا یہ اردو ترجمہ ہے، جنگ سے پیشتر ہی اس کتاب کا ترجمہ مکمل ہو چکا تھا، اور مترجم کو مصنف نے

اس ترجمہ کو شایع کرنے کی اجازت بھی دے دی تھی، لیکن جنگ چھڑ جانے اور کاغذ و طباعت کی دشواریوں نے اس کتاب کو منظرِ عام پر آنے کا موقعہ نہ دیا۔

اِجازت نامہ

میں نے سنہ ۱۹۴۲ء میں مؤلف کے نام ایک خط لکھا تھا جس میں ترجمہ کی اجازت طلب کی تھی، یہ خط جب ان کے پاس پہونچا تو اتفاق سے اُس وقت حسن الاعظمی (ازہری) پروفیسر جامعہ مصریہ بھی ان کے پاس موجود تھے، ان سے مؤلف نے اس بارے میں رائے لی۔ اور یہ خط انھیں کے مشورہ سے حسن الاعظمی نے مصر کے ہفتہ وار اخبار "فتی النیل" میں شائع کیا، یہ خط میں نے سیرت کمیٹی بشیر آباد کی طرف سے لکھا تھا جس کا اجازت نامہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ
جاء کتابکم الکریم فحمدت الله علی انه هیأ لکتابی فی السیرۃ النبویة قبولا عند اخوانی مسلمی الھند وبخاصة اعضاء جمعیة السیرۃ ثم شکرت لکم اهتمامکم بترجمة الکتاب الی اللغة الاردیة وطبعه۔

السّلام علیکم ورحمتہ اللہ۔
تمہارا مکتوب گرامی ملا، میں نے خدا کی تعریف کی، کہ اس نے میری کتاب سیرت نبوی کو اپنے بھائی مسلمانانِ ہند اور خصوصاً سیرت کمیٹی کے ارکان کے پاس درجۂ قبولیت عطا فرمایا، پھر میں نے تمہارا شکر کیا، کہ تم نے کتاب کا اردو ترجمہ اور اُس کی نشر و اشاعت کا اہتمام کیا،

وانی آذن لکم بطبعه ونشره مسروراً شاکراً راجیا لکم النجاح ـ وأسال الله سبحانه ان یجعل اقوالنا وافعالنا خالصةً لوجهه الکریم وان یوفقنا جمیعاً لما فیه خیر الاسلام والمسلمین والسلام ـ

میں تمہیں شکریہ و مسرت اور تمہاری کامیابی کی توقع کرتے ہوئے اس کتاب کی نشر و اشاعت کی اجازت دیتا ہوں، اور بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہوں کہ وہ ہمارے اقوال و افعال میں خلوص عطا فرمائے اور ہم تمام کو اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی توفیق عنایت فرمائے والسلام

۱۷ - محرم ۱۳۵۹ھ

عبدالرحمن عزام
(جنرل سکریٹری عرب لیگ) و وزیر شئون اجتماعیہ قاہرہ

تبصرہ

(۱)

یہ وہ تقریریں ہیں، جن کو عبدالرحمٰن بک عزام نے ریڈیو سے نشر کیا۔ سُننے والوں نے انھیں نہایت توجہ اور دلچسپی سے سُنا۔ بہت سے شوقین حضرات نے اپنی تمنا ظاہر کی، کہ یہ سب تقریریں یکجا کر دی جائیں، تاکہ جو لوگ ان کو سننے سے محروم رہ گئے ہیں، ان سے فائدہ اٹھائیں، جن لوگوں نے سُنا ہے، وہ بھی ان کو غور و فکر کے ساتھ مجموعہ کی شکل میں پڑھتے رہیں، اور قارئین کے لئے کارآمد اور سُود مند ثابت ہوں۔

(۲)

استاد عبدالرحمٰن بک عزام قابل تحسین و مبارک باد ہیں کہ انھوں نے

ایک جلیل القدر اور بلند پایہ موضوع یعنی خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے عظیم الشان انقلابی پہلو کو اختیار کیا، اس میں حقائق و بصائر اور سیر و اخلاق جیسے بلند مضامین کو اس قدر دلکش اور لطیف پیرائے میں بیان کیا ہے، جن کے سمجھنے کے لئے زیادہ دقت اور دشواری پیش نہیں آتی۔

سیرت پاک میں تمام اخلاقی پہلوؤں کو جمع کرکے چار چاند لگا دیا ہے، کیونکہ آج دنیا کو اس امر کی ضرورت ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ کے ذریعہ انسانیت کی شاہ راہ پر گامزن ہو، اور آفتاب نبوت کی ضیاء پاش کرنوں سے جہالت و تاریکی کے کثیف بادلوں کو کافور کردے، چنانچہ اسی جذبۂ احساس کی خاطر قابل قدر مؤلف نے سیرت پاک میں نبی اکرمؐ کے بلند ترین اخلاق اور کردار کا نقشہ پیش کیا ہے، اور موقع و محل کے مناسب واقعات و حقایق کے ذریعہ آنحضرتؐ کے اوصاف جمیلہ پر روشنی ڈالی ہے انسان کامل اور بطل اعظم کو محض دعووں کی شکل میں ہی پیش نہیں کیا، بلکہ روشن واقعات اور مسلمہ روایات کو دلیل و برہان قرار دے کر اپنے دعوی کو پائے ثبوت و تحقیق تک پہونچا دیا ہے؛

(۳)

مؤلف نے اپنی کتاب میں جن مضامین پر روشنی ڈالی ہے، ان میں سے بعض اہم موضوع یہ ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبات و استقلال، شجاعت، ایفاء عہد، زہد و قناعت، تواضع و بردباری، انقیاد و عبادت، عفو و درگزر، رحمت و رافت، فصاحت و بلاغت، حسن سیاست، امور کی انجام دہی میں دور اندیشی، دعوت محمدیہ کا افراد و جماعت پر اثر وغیرہ، غرض کہ

مصنف نے دنیا کے روبرو وہ بلند سیرت، وہ پسندیدہ اخلاق اور وہ گراں قدر عظمت پیش کی، جو انسانی تصور سے بالاتر، تاریخ عالم میں سب سے زیادہ محفوظ اور زمان و مکان کی حدود سے بیرون ہے۔

عظمتِ نفس، جو خلوص دل اور تمام پوشیدہ اسرار و قوی کی اصل دنیا ہے، ایسی چیز ہے، جس کو انسان کسی سلطنت یا جاہ و منصب کے بدلہ نہیں حاصل کر سکتا، بلکہ یہ ایک فطری، وجدانی اور ذوقی چیز ہے، جو اپنے ہی سرچشمہ سے پھوٹ کر اور اپنی ہی فطرت کی گہرائیوں سے اُبھر کر نکلتی ہے، اسے دنیا کی کوئی مسرت بڑھا سکتی ہے اور نہ کوئی مصیبت گھٹا سکتی ہے اسے نہ کسی کا مال و زر نمایاں کر سکتا ہے اور نہ کوئی فقر چھپا سکتا ہے، اس کے وقار کو نہ کوئی تاج و تخت دوبالا کر سکتا ہے اور نہ اس کا زوال اسے کم کر سکتا ہے، نہ کوئی فتح و نصرت اس کو تقویت پہونچا سکتی ہے اور نہ کوئی شکست اسے کمزور بنا سکتی ہے؛

یہی وہ عظمت ہے، جس کی بنا پر کائناتِ زمین و آسمان میں قوانین و نوامیس الٰہی کا اجراء اُن نفوس قدسیہ اور اولوالعزم ہستیوں کے ذریعہ ہوتا ہے جن کے نفوس میں یہ عظمت راسخ ہو جاتی ہے، جو اعمال ان سے سرزد ہوتے ہیں، وہ سنن خداوندی و منشاء الٰہی کا مظہر و منبع ہوا کرتے ہیں، ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا (اللہ کے قانون میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوتا)

یہی وہ عظیم الشان سیرت ہے، جس کے بعض اہم پہلوؤں پر عبدالرحمٰن عزام نے وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، اور اس کے جلالی و جمالی مظاہر کو دلائل و براہین کی روشنی میں نہایت واضح اور نمایاں کر دیا ہے، درحقیقت

ت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اِنسانی نفوس کی جِلا اور ان کے تزکیہ کے لئے کامل
ہ ہے۔

(۴)

مؤلف کی جس قدر تحسین و آفرین کی جائے کم ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ
مل مؤلف کی عرق ریزی و جہد بلیغ کے مطابق، جو اس نے اِس اہم مقصد
ورا کرنے میں برداشت کی، اور اُس کی اُس حسن نیت اور جذبہ خلوص کے
افق، جو اس کے دل کی گہرائیوں میں موج زن اور اس کی لکھی ہوئی ہر
رمیں جلوہ گر نظر آرہا ہے، یہ کتاب بھی مفید و کارآمد اور نفع بخش ثابت ہوگی
رخدائے قدوس اس کا بہترین اَجر عطا فرمائے گا، کیوں کہ وہ اِحسان کرنیوال
، اَجر کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔

مقدمۂ مؤلف

میرا ارادہ تھا، کہ مشاہیر عرب کی سیرت کے واقعات بیان کروں، ہماری قوم نے تو بے شمار بہادر پیدا کئے ہیں میں نے ان کی سیرتوں کا بنظر غائر جائزہ لیا، درجہ بدرجہ بہادری کے تمام مراحل طے کئے، آخرکار اس بلند چوٹی پر پہونچ گیا، جہاں تک ان مشاہیر نے رسائی حاصل کر کے شہرت دوام حاصل کی تھی، میں اس بے نظیر ہستی تک پہونچ گیا، جس کے سرچشمۂ عظمت و قیادت سے ان بہادروں نے سیرابی حاصل کی تھی۔

میں نے ان کی بہادری و شہرت اور ان کے کارناموں کے اسباب کا گہرا مطالعہ کیا، تو میں اس افق مبین تک پہونچ گیا، جہاں سے انھوں نے تجلی حاصل کی تھی، اس منزل مقصود کا سراغ لگالیا، جہاں سے انھوں نے کوچ کیا تھا، وہ بلند چوٹی جہاں تک وہ پہونچ چکے تھے، اور وہ بے نظیر و ما فوق ہستی جس سے وہ فیض یاب ہو گئے تھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔

آپ ہی کی ہدایت و تعلیم ان کی بہادری کا سرچشمہ اور، آپ کی اخلاقی روح انکی سیرت و کردار کا مبدا، و منبع ہے۔

اس لئے میرے دل نے پکار کر کہا، کہ کیوں نہ میں بطل اعظم اور مشاہیر عالم کے امام و پیشوا کی انقلابی سیرت کے نقوش کو قلم بند کروں میرے نفس نے کہا، کہ میں از روئے احترام و اجلال نبی اکرمؐ کو "بطل" سے موسوم کرنے پر جرأت کروں اور آپ کی بلند پایہ سیرت کو مشاہیر کے قصوں میں بلندترین مقام پر نمایاں کر دوں؟

پھر میں نے سوچا کہ یہ تو واقعات ہیں، جن کو مسلم و کافر، منکر و مومن سبھی پڑھیں گے، اس لئے میں نے مناسب سمجھا، کہ جس طرح اور انسانوں کے واقعات و سوانح بیان ہوتے ہیں، میں بھی اسی طرح سید البشر کے حالات بیان کروں، تاکہ انھیں ہر فرد بلا امتیاز مذہب و ملت مطالعہ کر سکے، جو شخص اس سیرت سے مستفیض ہوگا، اس کو یہ بام ارتقا پر گامزن کر دے گی، جہاں پر پہونچ کر ہر شخص ایک بطل بن سکتا اور مشاہیر کی صف میں داخل ہونے کا مستحق ہو سکتا ہے،

میں نے اپنی علمی بساط اور وقت کی وسعت کے مطابق مجمل طور سے سیرت پاک کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے، میری دلی تمنا و آرزو تھی، کہ عرب کے بہادروں کے بڑے بڑے شاہکار اور تاریخ انسانی کی بہترین سیرتوں کے لئے بنیاد قائم ہو جائے، لیکن اس سے آگے بڑھ کر ان مضامین و واقعات کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے میں بہت سی رکاوٹیں پیدا ہو گئیں اس لئے مجھے اس امید پر توقف کرنا پڑا کہ ان قصوں کو پورا کرنے اور اس اہم ضرورت کو انجام دینے کے لئے مجھے یا کسی اور کو دیگر مواقع دست یاب

ہو جائیں گے۔

مجھے خود اِس امر کا اعتراف ہے، کہ میں نے اس سیرت کو بیان کرنے میں اِتنی جد و جہد نہیں کی، جتنی اس کے لئے درکار تھی، میں نے عمداً اُس کو اِس لئے ترک کر دیا، کہ پہلے اس کے لئے تمہید اور بنیاد قائم کروں۔ مجھے اُمید ہے، کہ آنے والی نسلیں اِس نہج و اسلوب پر سیرت پاک کے واقعات اور دیگر مشاہیر کے حالات کو بیان کریں گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی سے بجادۂ مستقیم پر چلنے کی ہدایت عطا فرمائے۔ آمین!

عبدالرحمٰن عزام

۲۲ رمضان ۱۳۵۷ھ ۱۵ نومبر ۱۹۳۸ء

پیکرِ استقلال

جن اشخاص کو افسانوں اور قصوں سے دلچسپی اور شغف ہے، میں ان کے سامنے مشاہیر اور بہادروں کے واقعات اور ان کے کردار بیان کرتا ہوں کیوں کہ یہی وہ لوگ ہیں، جو انسانی تاریخ کے معمار و علم بردار ہیں، اور یہی وہ بزرگ ہستیاں ہیں، جو تاریکیوں کے سمندر میں روشن اور درخشاں علامات ہیں۔

ان مشاہیر میں سے وہ بہادر بھی ہیں، جنھوں نے اپنے وسیع تجربہ و ایثار اور غیر معمولی قوت و عظمت کی وجہ سے حیرت انگیز شہرت حاصل کی، جن کا مقابلہ زمانے کے حوادث بھی نہ کر سکے۔

یہی وہ سربرآوردہ ہستیاں ہیں جو تاریخ عالم میں بہادر و مبارز کہلائی جانے کے مستحق ہیں اور یہی وہ جلیل القدر و اولوالعزم شخصیتیں ہیں، جن کا نام واثر صفحۂ ہستی پر ابدالآباد تک زندہ و تابندہ رہے گا۔

تمام اربابِ فکر و بصیرت کا اتفاق ہے کہ ان تمام مشاہیرِ عالم میں سب کے پیشوا اور امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کارلائل کہتا ہے!

"آنحضور اکرمؐ نے دنیا میں آکر اپنی شمعِ ہدایت و نورِ نبوت سے تمام عالم کی تاریکیوں کو دور کر دیا"

سرمور کہتا ہے:۔

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ظہورِ قدسی کے وقت اصلاح کا کام نہایت دشوار اور اہم تھا، لیکن آنحضرتؐ کی وفات کے وقت جس قدر اصلاح مکمل ہو چکی تھی، ہمیں نہیں معلوم کہ اتنی بڑی کامیابی اور فوز و فلاح آپ کے سوا کسی اور کو بھی نصیب ہوئی ہو"

ونارڈ بیان کرتا ہے:۔

"اس روئے زمین پر اگر کسی ہستی نے خدا کو پہچانا ہے اور اپنی عزیز ترین زندگی اس کی خدمت کے لئے فنا کر دی ہے، تو بلا شک و شبہ وہ مبارک ہستی محمدؐ عربی کی ہے" (صلی اللہ علیہ وسلم)

دائرۃ المعارف برطانیہ یوں رقم طراز ہے:۔

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دنیا میں وہ فلاح و کامیابی حاصل کی کہ آج تک کسی دور میں بھی کسی نبی اور کسی مصلح و رہبر کو نصیب نہ ہوئی"

بوزرتھ اسمتھ کہتا ہے:۔

"اس میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) علی الاطلاق مصلحِ اعظم ہیں"

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر ایک طرف مسلمانوں کی نگاہ میں بطلِ اعظم اور جلیل القدر و مافوق البشر ہستی ہیں، تو دوسری طرف دیگر ملل و ادیان کے

مفکروں اور قائدین کی نظر میں علی الاطلاق سب سے بڑے مصلح و پیشوا مانے جاتے ہیں، اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں، کہ آپ کی عظمت اور بہادری کو بیان کرنے سے پہلے آپ کی ہستی کو سمجھادیں۔

میں آج سے سات سال پیشتر محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر اس عظیم الشان بہادری اور مافوق ہستی کا مشاہدہ کرنے کی غرض سے حاضر ہوا، جو مجھے کشاں کشاں کھینچ لے گئی تھی، میں نے قبر مبارک کے سامنے ایک خوش گوار اور نظر افروز منظر پایا، میرا دل فیضان تجلیات سے روشن ہو گیا۔

یہاں ایک روح جلوہ افروز ہے، جو عہد ماضی کی یادگار رہے، جس سے سراسر انوار و فیوض کی بارش ہوتی ہے، یہاں ایک بے نظیر ہستی اور ایک بے مثال بطل اعظم ہے، جس کی مثال دیگر مشاہیر عالم میں نہیں پائی جاتی، جب میں واپسی کا تصور کرتا ہوں، تو میرا دل بے اختیار چاہتا ہے، کہ تمام امیدوں اور مقصدوں کو خیر باد کہہ دوں، جب میں قبر مبارک سے قریب ہوتا ہوں، تو میرا دل عظمت و جلال کے آثار سے معمور اور محبت و آرزو کے جذبات سے لبریز ہو جاتا ہے۔ نبی اکرم ؐ میں وہ کونسی کشش اور وہ کونسی اثر آفرینی ہے، جو دیگر ہستیوں میں ناپید ہے؟ میں اس سوال کا جواب آئندہ صفحات میں دوں گا

آپ کی بہادری کا تصور میرے شاعرو احساسات میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا کر رہا تھا بہادری کی ہی تصویر تمام لوگوں کے اذہان و قلوب میں بھی، خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر، قیامت تک حیرت انگیز انقلاب برپا کرتی رہے گی، اگر نبی اکرم ؐ میں فطری استعداد و صلاحیت نہ ہوتی، تو نبوت

و رسالت کا گراں قدر خلعت کیوں عطا ہوتا، اگر الٰہی قوتوں کے اتصال و قبولیت کے لئے یہ درخشاں و تابندہ روح اہل نہ ہوتی، تو قدسی کلمہ اس کے اندر کیوں پھونکا جاتا؟ اس حقیقت کبریٰ کی طرف قرآن مجید نے اشارہ فرمایا۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ اللہ اس امر سے خوب واقف ہے کہ اپنی رسالت کس کے سپرد کی جائے؛

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وحی و رسالت سے پیشتر بہت بڑی استعداد و قابلیت کے مالک تھے؛

آپ کو بچپن ہی سے بتوں کی پرستش سے نفرت تھی، حالانکہ آپ کے آباء و اجداد کا دین بت پرستی تھا، اور یہی دین تمام جزیرۂ عرب میں فخر و مباہات کا مرکز سمجھا جاتا تھا، آپ بچپن ہی سے صادق و امین اور ایفاء عہد میں راسخ تھے، اپنی قوم میں عزیز و محبوب تھے، آپ کی قوم آپ کو امین کے لقب سے یاد کرتی تھی؛

عہد شباب میں آپ کا فضل و شرف مسلم تھا، قریش کی ایک ذی ثروت اور شریف خاندان کی خاتون نے، باوجود آپ کے فقر سے واقفیت کے، آپ کو نکاح کا پیغام دیا؛

سب سے پہلی مرتبہ صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر آپ نے اپنے قبیلہ کے تمام افراد کو جمع کیا، ان کے سامنے اسلام کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا:۔

لوگو! اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ ایک لشکر اس پہاڑ کے پیچھے سے تمہیں روندنے کے لئے آ رہا ہے، تو کیا تم سب میری تصدیق کرو گے؟ تمام نے یک زبان ہو کر کہا ہم نے

آج تک آپ کو جھوٹ کہتے نہیں سنا۔" اس کے بعد آپ نے
فرمایا پس میں تم کو خدائے تعالیٰ کے سخت عذاب سے
ڈراتا ہوں۔"

نبوت کے قبل آپ مظلوموں، ناداروں اور ناتوانوں کے بہت
ہی ہم درد اور غمخوار تھے، کسی بیکس پر ظلم وجور روا رکھنے اور کسی مسکین
کی حق تلفی سے آپ کو بے حد نفرت تھی۔ آپ نے قریش کی ایک انجمن حلف
الفضول میں جس دلچسپی کے ساتھ شرکت فرمائی، جاہلیت کے کسی اور کام
میں اتنا حصہ نہیں لیا۔ عرب میں اس بے نظیر معاہدہ کا سبب یہ پیش آیا کہ
اہل یمن میں سے زبید کے ایک شخص نے عاص بن وائل سہمی کو اپنا کچھ
سامان فروخت کیا۔ اس نے اس کی قیمت ادا نہیں کی، اُس نے اسی پر بیجا
ظلم اور سختی کی۔ اس نے اپنی مظلومی اور دادخواہی کا اظہار اپنے ایک قصیدہ
میں کیا، جس کا مطلع یہ ہے ؎

یا آل فہر لمظلوم بضاعتہ
ببطن مکۃ نائی الدار والنفر

اے فہر کی اولاد ایک مظلوم کی فریادرسی کے لئے آؤ۔ جو اپنے گھر
اور خاندان والوں سے دور وادی مکہ میں پڑا ہے۔

جب بنو ہاشم نے اس کی یہ آہ و فریاد سنی، تو سب نے مل کر آپس میں
معاہدہ کیا اور اس کا نام حلف الفضول رکھا، اس میں یہ عہد وپیمان لیا گیا
کہ مکہ میں جو کوئی مظلوم ہو، خواہ وہ کسی کا رشتہ دار ہو یا اجنبی، اگر اس پر کسی
قسم کی مصیبت و آفت آ پہونچی ہو، یا وہ کسی کے دستِ جفا کا شکار ہو گیا ہو
تو سب اس کی فریاد اور دادخواہی کے لئے پہونچ جائیں اور اس کی تکلیف کا

بستہ باب کریں،

اسی معاہدہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رسالت کے بعد فرماتے ہیں "میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں از روئے معاہدہ حاضر ہوا، اس کے بدلہ میں مجھے اگر سُرخ اونٹ بھی دیئے جاتے، تو میں انھیں کبھی پسند نہ کرتا اور اگر اسلام میں اس کی مجھے دعوت دی جاتی، تو میں ضرور اس پر لبیک کہتا"

یہ اس امر کی روشن دلیل ہے، کہ آپ کے نزدیک کمزوروں مظلوموں اور مسکینوں کے ساتھ ہمدردی و غمخواری کرنا سب سے زیادہ محبوب چیز تھی۔

عہدِ طفولیت ہی سے آپ کے اخلاقی جوہر نمایاں تھے آپ میں ہر دو مروت حد درجہ پائی جاتی تھی، حق کی نگہداشت اور اس پر ثابت قدم رہنا آپ کے اعلیٰ ترین صفات کا ایک جز تھا، ہم اسلام کے بطلِ اعظم کی زندگی کے اہم واقعات اور عظیم المرتبت صفات کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوتے ہیں، جہاں ریاست، سرداری، برتری اور فوقیت خاندانی اور متوارث چلی آتی تھی، یعنی آپ کا سلسلہ قصی سے عبد مناف اور ان سے ہاشم تک برابر چلا آتا تھا، یہی وہ قصی ہیں، جن کا سکہ تمام عرب کی سرزمین پر بیٹھا ہوا تھا، تمام اہل مکہ ان کی قوت و سطوت کا لوہا مانتے تھے، اور بہت سے لوگ اُن کے حلقۂ اطاعت میں تھے، ان کی قوم قریش دین عرب کی پابندی، بتوں کی حفاظت کعبہ کی دیکھ بھال اور پیاسوں کو پانی پلانے وغیرہ اس قسم کے اور بہت سے منصبوں میں واحد اور ممتاز حیثیت رکھتی تھی، جن کی شہرت کے ڈنکے دُور دُور

ملکوں تک بجتے تھے ؛

لیکن سوال یہ ہے، کہ کیا یہ خاندانی امتیازات، یہ میراثی تمغے اور یہ شان وسطوت کے مظاہرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت اور حق پر ثابت قدم رہنے سے باز رکھنے میں کچھ سودمند اور موثر ثابت ہوئے ؟ کیا ان کے ذریعہ آپ کے پائے استقلال کو ذرا بھی دھکا لگا ؟ ہرگز نہیں بلکہ آپ نے تو اپنے آبائی مذہب اور قدیم دین کی سخت مذمت کی، ان کی عقلی کمزوریاں کھول کھول کر بیان کیں اور ان کے اس مذہبی نظام کو جو آپ کی قوم اور قبیلہ کے لئے باعث عزت تھا، تہ وبالا کر دینے کی طرف دعوت دی ۔

عبد مناف، ہاشم اور عبد المطلب کے صاحبزادوں اور کسی خاندان کے فرد کو بھی وہ رعایت اور وہ درجہ ومقام نصیب نہیں ہوا، جو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کم سنی کے زمانے میں پایا تھا۔ آپ سارے صاحبزادوں اور پوتروں میں ممتاز حیثیت اور خاص شان ومنزلت رکھتے تھے، آپ کو اپنے جد امجد قوم قریش کے سردار کے مسند پر جلوہ افروز ہونے کا اعزاز حاصل تھا ۔

کعبہ میں عبد المطلب کے لئے ایک مسند بچھی رہتی، جس کے ارد گرد ان کے صاحبزادے بیٹھا کرتے تھے، مگر از روئے احترام وعظمت کسی کو جرأت نہیں ہوتی تھی، کہ مسند پر بیٹھ سکے، نبی اکرمؐ بھی یہاں تشریف لایا کرتے تھے، اس وقت آپ کم سن بچہ تھے، آپ کے دادا آپ کو اپنے قریب اپنے فرش پر بٹھلاتے، لیکن ان کے صاحبزادے آپ کا دامن پکڑ کر کھینچتے تاکہ آپ کو وہاں سے ہٹا دیں، عبد المطلب جب ان کی یہ حرکت دیکھتے، تو

فرماتے، "میرے صاجزادے کو چھوڑ دو، بخدا اس کی ایک نرالی شان و عظمت ہے" پھر آپ کو اپنے ساتھ بٹھاتے، اپنا ہاتھ آپ کی پشتِ مبارک پر شفقت سے پھیرتے، اور آپ کے ہر دل نشین ناز و انداز پر فریفتہ ہو جاتے۔

جب ابو طالب نے تجارت کی غرض سے ملک شام کی طرف سفر کرنیکا ارادہ کیا، اور قافلہ تیار ہوگیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ساتھ چلنے کا ارادہ ظاہر فرمایا، ابو طالب کے دل پر رقت آمیز جذبۂ شفقت طاری ہوگیا اور کہنے لگے "بخدا میں اس کو ضرور اپنے ساتھ لے چلوں گا اور وہ بھی مجھ سے ہرگز جدا نہ ہوگا" غرض کہ آپ اپنے چچا کے ساتھ اس دور دراز سفر کی شقت برداشت کرنے کے لئے ہمہ تن مستعد ہوگئے۔

کیا آپ کے دادا اور چچا کے یہ احسانات وعنایات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آبائی دین کی جانب مائل کرنے کے لئے کافی نہ تھیں، کیا یہ سب اعزاز واکرام آپ کی استقامت وثبات قدمی کو جادۂ حق سے برگشتہ کرنے کے لئے موید نہ تھا؟ لیکن آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاکیزہ نفس باطل کی فضا میں کیوں کر سکوں حاصل کر سکتا تھا، آپ کا ضمیر ربانی تجلیات سے منور تھا، آپ کے قدم وحدانیت کے اُس اٹل مرحلہ پر جم چکے تھے، جنھیں دنیا کی کوئی طاقت اپنی جگہ سے جنبش نہیں دے سکتی تھی۔

طلب حق، استقلال اور حریت رائے واعتقاد کی اس سے واضح اور کونسی مثال ہوسکتی ہے، جس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا۔

قریش نے محسوس کیا، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے من گھڑت دینی اصولوں پر تنقید کرتے، ان کے باطل خداؤں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر رہے ہیں اور ان کے آبائی دین کی تردید میں کوئی لحاظ نہیں کرتے ہیں،

تو قریش کا ایک وفد ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ الٹی میٹم دیا کہ یا اپنے بھتیجے محمدؐ کو ہمارے آبائی دین کی مذمت وحقارت کرنے اور ہمارے بتوں کو برا بھلا کہنے اور ان کی توہین کرنے سے باز رہنے کا حکم دیں، یا ہمارے ساتھ جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں، ابوطالب کو اب ایک نئے حادثہ سے دوچار ہونا پڑا، ان کے لئے اس معاملہ کی پیچیدہ گتھی کو سلجھانا نہایت دشوار ہوگیا، انھیں یہ خوف دامن گیر ہوا، کہ مبادا یہ لوگ خواہ مخواہ اپنی قوم پر چڑھائی کردیں، چنانچہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاکر کہا کہ "اے محمدؐ مجھے تیری قوم سخت دھمکیاں دے رہی ہے، اسلئے تو اپنے اور میرے حال پر رحم کھا اور مجھے کسی ناقابل برداشت مصیبت کی زحمت نہ دے۔" آپ نے جواب دیا۔

چچا جان! اللہ کی قسم اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لاکر رکھ دیں اور کہیں کہ میں اس کام سے باز آجاؤں خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ نکل جائے، میں ہرگز اپنے اس ارادہ سے ٹلنے والا نہیں ہے یہ کہنے کے بعد آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ اٹھ کر جانے لگے، تو ابوطالب نے آواز دی اور بلوا کر کہا "میرے بھتیجے جا اور تیرا جو جی چاہے کر، خدا کی قسم میں تیرا ساتھ ہرگز نہ چھوڑونگا"

آپ کے عہد طفولیت سے کے آنسو ابوطالب کو اپنے ساتھ ملک شام لے جانے پر آمادہ کرتے ہیں اور سن بلوغ کے یعنی عالم کہولت کے آنسو اپنے نفس کو اور اپنے اہل وعیال کو راہ حق میں قربان کرنے کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں، آنحضور اکرمؐ کے سامنے جو حق راستہ روشن تھا، اگر اس میں باطل کی ذرا بھی آمیزش ہوتی، تو آپ کے چچا کا یہ حسن سلوک اور ان کی

وفاداری و امانت آپ کو جادۂ حق سے باز رکھنے کے لیے کافی تھی، یا کم از کم اپنے چچا اور اپنے خاندان والوں کو مصیبتوں سے محفوظ رکھنے کے لئے اس قسم کی روش کو چھوڑ دینا، جس کے حق ہونے میں شک وشبہ ہو، مناسب معلوم ہوتا تھا، لیکن اس پیکر استقلال نے راہ حق پر ثابت قدم رہ کر اپنے عقیدہ کی درستگی اور اپنے یقین و اذعان کی پختگی کا نمایاں ثبوت دیا، کیا اس سے بڑھ کر ثبات قدمی کا مظاہرہ ہو سکتا ہے؟

پتھر کا کلیجہ ہو، تو یہ کٹھن مرحلے طے ہو سکتا ہے، فولادی قدم ہی اس ہولناک منزل میں جم سکتے ہیں، طوفانی ہمت اور سیلابی عزم دار دم ہی اس خاردار وادی میں بڑھ سکتا ہے، ایک طرف ابوطالب کو ہلاکت کے خوفناک عمیق غار دکھائے جا رہے ہیں اور قریش ان کو بار بار دھمکیاں دے رہے ہیں، اور دوسری طرف عرب کے زبردست حملہ کا خوف دامن گیر ہے، یہ تمام بجلیاں آشیانۂ نبوت اور خرمن رسالت پر ٹوٹ پڑنے کے لئے بے تاب ہیں، اور اعلاء کلمۃ الحق اور آپ کو اپنے راسخ عقیدہ سے منحرف کر دینے پر تلی ہوئی ہیں، لیکن آپ کے اشکوں کی تابانی سے یہ بجلیاں سرد و ماند پڑ جاتی اور آپ کے ہونٹوں کی جنبش انکار سے ساکن ہو جاتی ہیں، یہ وہ مقام امتحان ہے، جہاں راسخ العقیدہ اشخاص کے بھی قدم لغزش میں آ جاتے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے، اور راہ حق میں ہر قسم کی قربانی و ایثار سے کام لیتے ہوئے، جس حریت رائے، وفاداری، صبر و استقامت اور بہادری کا ثبوت دیا ہے، وہ ہمیشہ تاریخ عالم کے صفحات میں غیر فانی اور سبق آموز یادگار رہے گا۔

آپ کے ساتھ وفاداری، حریت رائے اور اعلیٰ شرافت کی مثال اور کیا ہو سکتی ہے، کہ عبدالمطلب کی اولاد میں سے ایک شخص، جو شکار کا دل دادہ تھا، ہر روز شکار کھیلنے کے لئے نکلا کرتا اور واپسی کے وقت کعبہ کا طواف کیا کرتا، پھر قریش کی مجلس پر ہوتا ہوا گزرتا، ان کو سلام کرتا اور اُن سے گفتگو کرتا تھا، یہ شخص اپنی قوم میں معزز اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے بہت بیزار تھا، یہ حمزہ بن عبدالمطلب ہیں، ایک دن یہ حسب معمول اپنے شکار سے لوٹے اور بدستور بتوں کا طواف کیا، ایک لونڈی نے ان سے کہا کہ ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) نے محمدؐ کو یہاں بیٹھے ہوئے پایا، تو گالیاں دیں اور سخت سست کہا، محمد نے اسے کچھ بھی نہ کہا اور واپس چلے گئے، حمزہ نے جب آپ کی شان کے خلاف یہ الفاظ سنے، تو بے حد طیش میں آگئے، اور انھوں نے ابوجہل کے پاس، جو قریش کے ایک مجمع میں تھا، پہونچ کر اُسے اپنی کمان سے سخت زخمی کر دیا، اور بولے کیا تو نے اس کو گالیاں دیں؟ حالانکہ میں اس کے دین پر ہوں، میں بھی وہی کہتا ہوں، جو وہ کہتا ہے؟

قریش کا معزز ترین شخص، جس کو اس کے بتوں سے قربت و عقیدت اور اس کی محفل سے محبت و الفت تھی، صرف اپنے چچا زاد بھائی کی عظمت و کرامت کا خیال کرتے ہوئے اور آپ کی حریت کو پامال کرنے والوں سے جوش انتقام کی وجہ سے اپنی قوم اور اپنے دین سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاداری اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے، بڑے بڑے مشکلات و حوادث بھی آپ کو اپنے تبلیغی فرض

سے سرمو ہٹا نہ سکے، بلکہ آپ نے تمام دنیا کی طاقتوں کو ٹھکراتے ہوئے فرمایا "اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں، خواہ میں اس میں ہلاک ہو جاؤں، ہرگز اپنے کام سے باز نہیں رہ سکتا"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق حقیقی اور آپ کی ثبات قدمی کی یہ تمام روشن اور واضح صفات ہیں۔

عتبہ بن ربیعہ اپنی قوم کا نمائندہ اور ان کے خیالات کا ترجمان بن کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا ہے، اور کہتا ہے، کہ میرے چچیرے بھائی! آپ بخوبی واقف ہیں، کہ آپ خاندان میں ہم سب سے زیادہ معزز اور نسب میں آپ کا مقام تمام سے بلند و برتر ہے، آپ نے اپنی قوم کو بہت بڑے حادثہ سے دوچار کر دیا ہے، آپ نے ان کے باہم جدائی ڈال دی ان کی عقلوں کو کمزور ٹھہرایا، ان کے بتوں پر کاری ضرب لگائی، ان کے دین کی برائیاں اور عیب جوئیاں کیں، اور ان کے آباء و اجداد کو کافر قرار دیا، پس اس وقت آپ سے چند اہم امور کے متعلق گفتگو کرنا چاہتا ہوں، اگر آپ ان میں سے کسی پر اتفاق کر لیں تو بہتر ہوگا، آپ نے فرمایا کہو ابو الولید! عتبہ نے کہا آپ جو ایک نئے دین کی اشاعت کر رہے ہیں، اگر آپ کو اس کے ذریعہ دولت کمانی منظور ہے، تو ہم اپنی تمام دولت آپ کے قدموں پر نثار کرنے کے لئے تیار ہیں، یہاں تک کہ آپ ہم سے زیادہ دولت مند ہو جائیں، اگر آپ کا منشا اس سے جاہ و عزت اور مرتبہ حاصل کرنا ہے، تو ہم آپ کو اپنا سردار بناتے ہیں، آپ کی رائے کے خلاف ایک کام بھی نہ کریں گے، اگر آپ کو سلطنت کی خواہش ہے، تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں، اگر آپ کے دماغ

میں (نعوذ باللہ) کچھ خلل و فساد واقع ہوگیا ہے، جس کے علاج سے آپ عاجز ہیں تو ہم اپنا مال خرچ کر کے آپ کا علاج کرتے ہیں۔"

جب عتبہ اپنی بکواس اور خرافات بک چکا، تو آنحضرت نے فرمایا ابو الولید! سن

بِسمِ اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ حٰمٓ تَنزِیلٌ من الرحمٰن الرحیم کتابٌ فُصِّلَت آیاتُہٗ قرآناً عَرَبِیاً لِقَومٍ یَعلَمُونَ بَشِیراً وَّ نَذِیراً فَاَعرَضَ اَکثَرُھُم فَھُم لَا یَسمَعُونَ ٥

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، حٰم یہ کلام رحمٰن رحیم کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے، یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں، یہ ایسا قرآن ہے جو عربی ہے، ایسے لوگوں کے لئے ہے جو دانشمند ہیں، بشارت دینے والا ہے، اور ڈرانے والا ہے، اکثر لوگوں نے رو گردانی کی، پھر وہ سنتے ہی نہیں ۔

غرض آپ قرآن مجید کی آیتیں تلاوت فرماتے رہے، اور یہی قریش کے بیان کا جواب تھا؛

اگر راہ حق آپ کا مطمح نظر اور مقصد اولین نہ ہوتا، جس کے جذبات سے آپ کا دل لب ریز تھا، تو آپ کے دشمنوں اور مخالفوں کی کوششیں آپ کے عزم و استقلال اور جوش خودداری کو سرد کرنے کے لئے موثر ہوجاتیں، اور آپ ان کی ترغیبوں سے اُنہی کے دین میں سامان سکون تلاش کرنے پر آمادہ ہوجاتے ۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی اور طرز معاشرت پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے، تو معلوم ہوگا، کہ آپ نے حضرت خدیجہ رض ان کی صاحبزادیوں اور خدمت گذاروں کے ساتھ کس طرح حسن معاملہ کیا، حضرت خدیجہ رض قریش کی ذی ثروت خاتون تھیں اور شریف خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، ان کے مال کی نشو ونما آنحضرت ہی کے دست مبارک سے ہوئی، آپ کی حسن معاشرت اور گھریلو زندگی میں آپ کی محبت درواداری کی بہترین تصویر زید بن حارثہ کے اس واقعہ میں جھلکتی ہے۔

زید بن حارثہ کو حضرت خدیجہ رض نے عرب سے خریدا، اور آنحضرت کو بطور نذرانہ پیش کیا، آپ نے ان کو آزاد کر دیا، انھوں نے آپ ہی کے گھر میں زندگی گزاری، ان کے باپ فدیہ ادا کرکے انھیں لے جانے کی غرض سے آئے، آنحضرت نے ان کے باپ سے فرمایا اب تو یہ آزاد ہیں، ان کو اختیار ہے، جس کو چاہیں پسند کرلیں، لیکن زید رض نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے باپ پر ترجیح دی۔

ذیل کی ایک اور مثال سے پتہ چلے گا، کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و رتبہ لوگوں میں کیا تھا، اس پر خود آپ کی بیوی حضرت خدیجہ رض شاہد ہیں جب آپ پر پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی، تو آپ بہت ہی خوف زدہ ہو گئے، اسی عالم اضطرابی میں اپنے گھر تشریف لائے، آپ کی نیک دل بیوی آپ کی ان کلمات سے دل جوئی کرتی ہیں کہ "آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی رسوا نہیں کریگا کیوں کہ آپ رشتہ داروں کے درمیان ملاپ پیدا کرتے ہیں، ضعیفوں اور مسکینوں کی غم خواری اور چارہ جوئی کرتے ہیں، ننگوں کو کپڑا پہناتے، مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے ہیں، اور حق کی راہ میں جو کچھ بھی مشکلات درپیش ہوتی ہیں

آپ ان کا ہر طرح سینہ سپر ہو کر مقابلہ کرتے ہیں ؛

ان کی اس شہادت اور حقیقی ترجمانی سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی کس قسم کی تھی، لیکن اب سوال یہ ہے، کہ آپ کو اپنے آبائی دین کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے اور ایک نئی انقلابی تحریک پیش کرنے پر کس چیز نے آمادہ کر دیا، جس کے لئے آپ کو بے شمار مشکلات و تکالیف سے دوچار ہونا پڑا۔

یہی وہ ایمانی و ربانی تقاضا تھا، جو آپ کو اپنی بیوی بچوں اور خاندان سے زیادہ عزیز تھا، جس کی طرف آپ نے تمام کو دعوت دی، جس کے بغیر زندگی کا کوئی مدعا و مقصد نہیں اور جو دنیا کی تمام نعمتوں سے بلند و بالا ہے ؛

غرض کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق ہر حیثیت سے بلند و برتر اور پاکیزہ تھے، حق پر ثابت قدمی اور محبت الٰہی آپ کی زندگی کا اصل مقصد و مدعا تھا ؛

میں نے لندن میں ایک بہت بڑے مستشرق سے سوال کیا، کہ کیا آپ کہہ سکتے ہیں، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسی بات کہتے تھے، جس پر آپ کو پورا اعتماد و ایمان نہ ہوتا ہو، اس نے نفی میں جواب دیتے ہوئے کہا، ایک چیز جس کے متعلق کسی قسم کا شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا، یہ ہے، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے تھے، اور جو بات کہتے اور جس چیز کی دعوت دیتے، اس پر آپ کا ضمیر گواہی دیتا اور آپ کا دل یقین و ایمان کی سچی تصویر پیش کرتا ؛

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وہ عظیم الشان صفت ہے، جس کو دوست و دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں۔

الغرض آنحضرت نے حق کی خاطر بہت سی تکلیفیں اٹھائیں طرح طرح کی

مصیبتیں جھیلیں، آپ کی دشمنی پر کمر باندھی گئی ۔ آپ کو ہجرت کرنی پڑی اور راہ حق میں جہاد کرنا پڑا، جو لوگ حق کے طلب گار ہیں، بلکہ طلب حق ایک فریضۂ انسانی ہے، ان کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بہترین مثال پیش کی گئی ہے آپ کے استقلال کے نقش قدم ان کی رہبری کر سکتے ہیں ۔

خواہ صدیاں گزر جائیں اور زمانہ اپنی گردش کے سینکڑوں دورے ختم کرے، سلسلۂ حیات کے ختم ہونے تک بھی آپ میدان شجاعت کے شہسوار تسلیم کئے جائیں گے، نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا کے بہادروں کو اسی رہ گذر سے گزرنا پڑے گا، استقلال اور ثبات قدمی کی یہ بہترین مثال اور بلند ترین پیکر ہے، جو لوگوں کو اس امر کی دعوت دے رہا ہے، کہ تمام انسان اللہ کے بندے اور غلام ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں ۔

شہسوارِ شجاعت

میں اِس مضمون میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نظیر شجاعت کی اصلی اور حقیقی تصویر کھینچتا ہوں، اس سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ اِسلام کے ماقبل کی حالت بیان کر دی جائے، کہ اس وقت سرزمین عرب کی کیا حالت تھی، عرب کی قوم اِس نئی تحریک سے کس قدر بیزار تھی، تاکہ اس بیان سے یہ اَمر ذہن نشین ہو جائے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح کٹھن مشکلات و حوادث کا بہادرانہ مقابلہ کیا اور اس بڑی مہم کو سر کرنے اور پُر خطر منزل پر ثابت قدم رہنے کے لئے کس قدر قوت و شجاعت کی ضرورت ہے، اِسی کے پیشِ نظر میں موقع و محل کے مناسب واقعات کے ذریعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولو العزمی اور بہادری کو ثابت کروں گا، کہ آپ کی نفسی، اصلاحی، دینی، سیاسی اور اِجتماعی شجاعت کس درجہ پر تھی،

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کے سامنے ایسی دعوت پیش کی، جس نے ان کی زندگی کی کایا پلٹ دی، یہ تحریک نہ صرف ان کے دینی امور تک محدود تھی، بلکہ وہ سیاست، اجتماع، اقتصاد اور تہذیب و تمدن غرض کہ ان کی زندگی کے تمام مظاہر اور حوائج و ضروریات پر مشتمل تھی، یہ آسان امر نہ تھا، کہ وہ اپنے آبا و اجداد کے دین اور رسم و رواج کو چھوڑ کر اس طرف متوجہ ہو جاتے، اس لئے انھوں نے اس تحریک کی تردید کرنی اور داعی کی پکار پر نفرت و بیزاری کا اظہار ضروری سمجھا، تاکہ آپ ان کے دین اور ان کے بتوں کی تعلیم پر مجبور ہو جائیں۔

سرزمین مکہ تمام عربوں کی جولاں گاہ اور فضیلت و ہدایت کا سرچشمہ تھی، تمام لوگ یہاں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ حج کیا کرتے تھے، کعبہ کی مجاورت اور اس کی حفاظت کا شرف و اعزاز قریش کو حاصل تھا، لوگ اپنے جان و مال کی حفاظت اور تجارتی کاروبار اور حصول منافع کے لئے موسم گرما میں شام و عراق اور موسم سرما میں یمن کی جانب کوچ کیا کرتے، اسی امتیازی شان کی بدولت اللہ تعالیٰ نے آپنے احسان کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ اِيْلٰفِهِمْ	چونکہ قریش خوگر ہو گئے ہیں، یعنی جاڑے
رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ	اور گرمی کے سفر کے خوگر ہو گئے ہیں
فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا	تو ان کو چاہیئے کہ اس خانۂ کعبہ کے
الْبَيْتِ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ	مالک کی عبادت کریں، جس نے ان کو
	بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے اُن کو امن دیا۔

مِنْ جُوْعٍ وَّ آمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ ۔

قریش کو جب یہ فضل و شرف اور عزت و مرتبہ حاصل تھا، تو اُن کے نظام کو تبدیل کرنے اور ان کے دین میں تغیر پیدا کر دینے کا ارادہ بلا شک و شبہ ان کی علانیہ دشمنی مول لینے کے مرادف تھا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلا خوف و خطر ان کو پہلے توحید کی طرف بلاتے اور اس کے بعد عذاب الٰہی سے ڈراتے ہیں، آپ کی قوم اپنے بتوں کی عقیدت کو چھوڑ کر ایک خدا کے آگے سر جھکانے سے انکار کرتی اور جزا و سزا، حساب و میزان اور حشر و نشر کو اپنی عقل اور مرضی کے سراسر مخالف پاتی ہے ۔

بتوں کی والہانہ پرستش اور ان کے ساتھ غیر معمولی عقیدت مندی کا تصوّر جو صدہا سال پیشتر رائج تھا، موجودہ دور میں ہمارے لئے تعجب خیز ہوگا، مگر آنحضرتؐ کے زمانے میں بت پرستی کا دور دورہ تھا، یہود و نصاریٰ تو اس گمراہی کا مرکز تھے، اور بت پرستانہ خیالات واوہام ان کے رگ و ریشہ میں جاگزیں ہو گئے تھے :

ہمارا ذہن تو بت پرستی کو قبول کرنے کے بجائے اس کا مضحکہ خیز تصور کرتا ہے، لیکن انسانی طبائع اس طرف بہت مائل ہو جاتی ہیں، چنانچہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں بت پرست قوموں کے مظاہرہ سے بے قابو ہو کر کہتے ہیں، اِجْعَلْ لَنَا اِلٰهاً كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ہمارے لئے بھی ایک خدا بنا دے جیسا کہ اُن کے لئے کئی خدا ہیں :

قدیم باشندگانِ مصر ہزاروں سال تک پتھروں، ستاروں اور جانوروں کی پوجا کرتے رہے، پس اگر قریش کے لئے ان بت پرستانہ عقائد کو چھوڑ دینا، جن کے آباء و اجداد صدیوں تک پابند رہے، انتہائی شاق

گذرے، تو کوئی تعجب نہیں؛

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت کو توحید کی طرف بلانے اور قوم کی کمزوریاں بیان کرنے تک محدود رکھتے، تو مخالفت بھی ہتھا وزنہ ہوتی لیکن آپ نے ان کے روبرو روز قیامت جزا و سزا، اور بعث و نشر پر ایمان لانے کی دعوت کا بھی مسئلہ چھیڑ دیا، اِس حقیقت کو انھوں نے تعجب کی نظر سے دیکھا، اور بالکل محال اور ناممکن سمجھا، اور مضحکہ خیز انداز میں کہنے لگے۔

أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ	کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہڈیاں بن کر خاک ہوجائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ ہوں گے؟

اِس طرح انھوں نے اپنی سمجھ بوجھ کے لحاظ سے داعی اسلام کی عقلی و فکری جد وجہد کو کمزور ثابت کرنے کے لئے تمسخر آمیز استدلال کرنا شروع کردیا، ایک دن ابیّ بن خلف ایک بوسیدہ ہڈی ہاتھ میں لئے ہوئے آنحضرتؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا، اے محمدؐ! کیا آپ کا خیال ہے، کہ خدائے تعالیٰ اِس ہڈی کی دوبارہ تخلیق کرے گا، یہ کہہ کر اس نے اس ہڈی کو اپنے ہاتھ سے توڑا اور اس کے ریزے آپ کے روبرو ہوا میں بکھیر دیئے، قرآن مجید نے اس طرح اس کی الزامی تردید کی۔

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي	اور اس نے ہماری شان میں ایک عجیب مضمون بیان کیا، اور اپنی اصل کو بھول گیا کہتا ہے کہ ہڈیوں کو جب کہ وہ بوسیدہ ہوگئی ہوں، کون زندہ کریگا، آپ جواب دیجئے کہ ان کو

اَنْشَأَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ۙ	وہ زندہ کرے گا جس نے اول بار میں اُن کو پیدا کیا ہے۔ اور وہ سب طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے۔ یٰس ع ۵ پ ۲۳

توحید اور بعث و نشر کی تبلیغ سے قریش کی ناسمجھ عقلوں اور ان کے دین کو بڑا ہی صدمہ پہونچا، انھوں نے داعی اسلام کا مذاق اڑانا شروع کردیا اور اس کی دشمنی اور ایذا رسانی پر کمر باندھ لی؛

آنحضرت نے اپنی دعوت حق کو اسی حد تک محصور نہیں کیا، بلکہ شراب نوشی، زناکاری، جوا بازی اور سودخواری کی حرمت کا اعلان کردیا قریش اس تحریک کی بھلا کب تاب لانے والے تھے، یہ چار چیزیں تو ان کی زندگی کی اہم ضروریات تھیں، اور یہی ان کے لئے فخر و عزت دولت و ثروت اور منفعت کا سرمایہ سمجھی جاتی تھیں؛

سود تو قریش کے تمام قبیلوں میں عام تھا، آنحضرت کا مدعا یہ تھا، کہ سود کو، جسے وہ اپنی زندگی کا بیش بہا سرمایہ اور فراوانی دولت کا ذریعہ سمجھتے تھے، قطعاً حرام کردیں، لیکن قوم قریش اس متاع عزیز کو قربان کر دینے پر کیوں کر راضی ہوتی؛

شراب، زنا، جوا، اور سود یہ تمام چیزیں ان کے نفوس میں کس طرح گھر کر گئی تھیں، اس کے لئے میں یہاں ایک واقعہ پیش کرتا ہوں، جس سے اندازہ ہوسکے گا، کہ یہ خبیس مشاغل قریش کے ہاتھ میں کس طرح آلۂ کار بنے ہوئے تھے؛ جس کے ذریعہ دیگر عربوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے سننے سے بھی نفرت دلائی جاتی تھی، اَعشیٰ قیس اسلام لانے کی غرض سے مکہ کے قریب آیا، اپنے ایک

قصیدہ میں رسول اکرمؐ کی تعریف کی، جس میں وہ کہتا ہے:۔

وآلیت لا ادنی لھا من کلالۃ
ولا من حفی حتی تلاقی محمدا

نبی یری مالا ترون وذکرہ
اغار لعمری فی البلاد وانجدا

میں نے قسم کھا رکھی ہے، کہ جب تک میری اونٹنی محمدؐ سے ملاقات نہ کرے میں اس کے ضعف و اضمحلال اور اس کے پاؤں کے زخمی ہوجانے کا رنج نہ کروں، یہ ایسا نبی ہے، جسکی نظر میں وہ چیزیں روشن ہیں جن کو تم نہیں دیکھ سکتے، میری زندگی کی قسم کہ اس کا ذکر دور دور کے پست وبلند ملکوں تک پھیل گیا ہے۔ ۱۲

جب وہ مکہ پہونچ کر آنحضرتؐ کے پاس جانا چاہا، تو قریش کے بعض مشرکین نے اس کو روک کر کہا اے ابوبصیر! وہ زنا کو حرام قرار دیتا ہے۔ اعشی نے جواب دیا بخدا مجھے بھی اس کی خواہش نہیں، پھر انھوں نے کہا اے ابوبصیر! وہ شراب نوشی سے منع کرتا ہے، اعشی نے کہا خدا کی قسم اس سے نفس کے اندر بہت سی بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں، لیکن میں فی الحال واپس جاتا ہوں آئندہ سال اس کے پاس حاضر ہوکر ضرور اسلام قبول کرلوں گا" یہ کہہ کر وہ واپس لوٹ گیا اور اسی سال وفات پاگیا؛

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی دعوت حشر و نشر کی خبر دینے اور قوم کو ان کے محبوب ومرغوب اور پسندیدہ مشاغل کے سدّ باب ہی پر اکتفا نہ کیا، بلکہ اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب اور ان کے تصور سے بعید ترین تحریک یعنی اخوت ومساوات کی طرف بلایا، حالانکہ انھوں نے اپنی تمام

عمریں حسب و نسب کے امتیازی تخیلات اور باہمی فخر و مباہات میں گزاری تھیں، بھلا اُس وقت کا کیا حال ہوگا، جب کہ آنحضور اکرمؐ نے آقا، و غلام اور امیر و غریب کے درمیان مساوات و یکسانیت قائم کرنے، تمام لوگوں کو انسانیت کے ایک مقام پر جمع کرنے اور ان کو ایک ہی رشتہ میں منسلک کرنے کی انقلابی تحریک اٹھائی، یہ ایسی اسکیم تھی، جس کو تسلیم کرنے کے لئے قریش کبھی تیار نہ تھے، یہ وہی لوگ تھے، جنھوں نے انسانی حقوق پامال کرنے اور رنگ و نسل کے امتیازات کی حدود قائم کرنے کے لئے اپنے دین میں تحریف کر دی تھی، دیگر عوام الناس کی طرح عرفہ میں ٹھہر کر طواف کرنے سے انکار کر دیا تھا، حالانکہ یہ بخوبی واقف تھے، کہ عرفہ میں ٹھہرنا اور طواف کرنا فرائضِ حج اور شعائرِ ابراہیمی میں سے ہے، یہ وہی قریش تھے جو ننگے بدن بیت اللہ کا طواف کرتے اور دیہاتی عربوں کے کپڑے اتار کر ان کو ننگے بدن طواف کرنے پر مجبور کرتے تھے، یہ وہی تھے جنھوں نے اپنی حسب منشاء بے شمار امتیازات و حدود اپنے ساتھ مخصوص کر لئے تھے، اس قسم کے خصوصیات رکھنے والی قوم کس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت مساوات اور تحریک اخوت پر راضی ہو سکتی تھی، اور خود آنحضرتؐ کیوں کر اپنے قبیلے کے روبرو یہ کہنا گوارا کر سکتے تھے، کہ "اے بنی ہاشم میرے سامنے لوگوں کے اعمال و کردار پیش نہ کرو، بلکہ اُن کے نسبوں کو بیان کرو"؟

تعجب اور حیرت کا مقام تو یہ ہے کہ، آنحضرتؐ نے باوجود قریش کے ممتاز ترین خاندان میں شمار ہونے اور باوجود صاحب ریاست قبیلہ سے تعلق رکھنے کے جاہلیت ہی کے زمانے سے ہر قسم کے امتیازات کو

مٹا دیا، مبعوث ہونے اور وحی سے سرفراز ہونے سے پہلے اپنے آپ کو اپنی قوم کے افراد کے برابر سمجھا ہے۔

قریش کو اس تحریک مساوات اور دعوت اتحاد پر کیسے صبر وسکون نصیب ہوسکتا تھا، یہ تو غلاموں پر قسم قسم کی سختیاں، کمزوروں پر طرح طرح کے مظالم اور مسکینوں پر نوع بہ نوع کی مصیبتیں روا رکھا کرتے تھے، آنحضور اکرم نے نہ صرف ان کے بتوں کی توہین کی، ان کو قیامت کے سخت عذاب سے ڈرایا، ان کے جاہ ودبدبہ کے غرور کو توڑا، شراب، زنا، جوا، سود اور دیگر ناشایستہ نفسانی خواہشات کا انسداد کیا اور کمزوروں اور طاقتوروں آقاؤں اور غلاموں کے درمیان مساوات ویگانگت قائم کردی ــــــ بلکہ مالداروں اور امیروں کے مالوں میں سے غلاموں، مسکینوں اور مسافروں کے حقوق دلانے کی تحریک بلند کی اور علی الاعلان پکار کر کہا "وفی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم" ان کے مالوں میں سے حاجتمندوں اور حرمان نصیبوں کے لئے ایک مقررہ حق ہے یہ حق ان سے زبردستی لیا جائے گا اور ان پر تاوان عائد ہوگا، یہ تاوان (زکوٰۃ) قوم کے نزدیک ادائے فریضہ سے بھی زیادہ دشوار تھا، آنحضرتؐ نے جب وفات پائی، تو سب سے پہلے ان لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا، جو اس کو کٹھن سمجھتے تھے، اس کی وجہ سے بہت سے لوگ مرتد بھی ہوگئے ہے۔

یہ اُس زمانے کی سوسائٹی کی حالت کا خاکہ ہے، جس میں آنحضرتؐ نے اپنی قوم کو توحیدی، اجتماعی اور سیاسی نظام کی دعوت دی، اس دور کی سوسائٹی کی تصویر قرآن مجید نے ایک ہی آیت میں اس طرح

کھینچی ہے:- فقالوا ان نتبع الھدی معک نتخطف من ارضنا۔ "وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم تیرے ساتھ ہدایت کی پیروی کرینگے تو ہم اپنی زمین سے لوٹ لئے جائینگے۔"

اب غور طلب امر یہ ہے کہ، اس ہمہ گیر مقابلہ کے لئے کس قدر صبر و عزیمت اور ہمت و شجاعت درکار نہ ہوگی، بقاء انسانیت کا دار و مدار شجاعت اور صبر ہی پر ہے، انہی دو چیزوں سے انسانی زندگی مستحکم بن سکتی ہے، شہیدوں اور بہادروں کے بے شمار واقعات نے اسی شجاعت کی بدولت تاریخ عالم کے صفحات کو رنگین و لالہ زار بنا رکھا ہے، جن میں راہ حق تک پہونچنے کے لئے کئی ایک روشن اور درخشاں علامات موجود ہیں، بطل اعظم کی پوری زندگی کا شجاعت کے نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے، تو آپ کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہ ملے گا، جو شجاعت و دلیری کی جیتی جاگتی تصویر نظروں کے سامنے نہ پیش کرتا ہو، عہد طفولیت سے زمانۂ جاہلیت تک اور دور جاہلیت سے مابعد اسلام تک آپ کی شجاعت کے جواہر پارے درخشاں نظر آتے ہیں۔

بچپن میں آپ کو لات و عزیٰ کی قسم کھانے پر مجبور کیا گیا، تو آپ نے فرمایا:- "میرے سامنے ان کا نام تک نہ لو، خدا کی قسم مجھے ان سے سخت بغض و نفرت ہے۔"

بچپن میں آپ اپنی قوم کے خداؤں کی بابت اس قدر جرارت آمیز توہین کرتے ہیں، کہ آپ کے دل میں ذرا بھی خوف و خطر کا گذر نہیں ہوتا۔

آپ اپنے چچا کے ساتھ ایک قافلہ کے ہمراہ یمن کی جانب تشریف لے گئے، اس وقت آپ کی عمر سترہ برس کی تھی، قافلہ میں سے ایک

اونٹ وادی میں بدک گیا تھا، آپ نے نہایت جرأت سے کام لیا اور اس کی سرکشی دور کر دی؛

قافلہ کو ایک وادی عبور کرنی تھی، وادی پانی سے بھرپور تھی قافلہ والے ہیبت کھا گئے، آپ نے اقدام کیا اور فرمایا میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔

مذکورۂ بالا چند واقعات آپ کے بچپن کی شجاعت پر دلالت کرتے ہیں، لیکن ہم رسالت کے بعد کے ان واقعات کو بیان کرنا چاہتے ہیں، جنھوں نے دنیا کے بہادروں کی گردنیں آپ کی عظمت و شجاعت کے آگے جھکا دیں، آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اِصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین ؟ (تمہیں جو حکم دیا جاتا ہے، اس کی پیروی کرو اور مشرکوں سے منہ پھیر لو) کے مطابق اپنی قوم میں ببانگ دہل اپنی دعوت و تبلیغ کو سنانا شروع کیا؛

حضرت علیؓ فرماتے ہیں "جنگ جب زیادہ خوفناک اور ہیبت ناک ہو جاتی اور ہنگامۂ کارزار گرم رہتا، تو ہم آنحضرتؐ کی آڑ لیتے، آپ سے بڑھ کر کوئی شخص دشمن کا مقابلہ نہیں کرتا"

ذیل کی دو مثالوں سے ظاہر ہوگا، کہ جنگ کے موقعوں پر آپ شجاعت اور بہادری میں کہاں تک شہ سوار تھے۔

ایک رات اہل مدینہ ایک خوفناک آواز سے گھبرا گئے کچھ لوگ آواز کی جانب دوڑے ہوئے آئے، کیا دیکھتے ہیں، کہ آنحضرتؐ واپس تشریف لا رہے ہیں، لوگوں کے پہونچنے سے پیشتر ہی آپ آواز کا پتہ چلانے نکل گئے آپ گھوڑے پر سوار تھے، گلے میں تلوار لٹکی ہوئی تھی اور فرما رہے تھے "گھبراؤ نہیں"

غزوۂ حنین میں جس وقت تمام لوگ میدان چھوڑ کر بدحواسی کے عالم میں بھاگ رہے تھے، آپ تنہا خچر پر سوار فرماتے تھے ؎

انا النبی لا کذب

انا ابن عبد المطلب

میں نبی ہوں یہ کوئی جھوٹ نہیں، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں
اس وقت آپ کے سوا کوئی بھی دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم نہ رہا؛

میں نے مختصر طور پر خصوصیت کے ساتھ دو واقعے اس لئے بیان کئے تاکہ شجاعت کے دو اہم پہلو نظروں کے سامنے آجائیں، پہلے واقعہ میں تبلایا گیا ہے، کہ رسول اکرمؐ لوگوں کے پہونچنے سے پیشتر ہی خطرہ کے مقام پر پہونچ گئے تھے، دوسرے واقعہ میں اِس امر کی صراحت کی گئی، کہ آپ خطرناک مقام پر دشمنوں کے نرغہ میں تن تنہا ثابت قدم رہ کر مقابلہ کرتے رہے اور لوگ تمام تر فرار ہو چکے تھے، ماہرین حرب اور جنگی اصول و قوانین سے واقف حضرات اِس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں، کہ انہی دو کٹھن مقامات پر شجاعت و استقلال کے جوہر آزمائے جاتے ہیں، ایسے موقعہ پر، جبکہ خوف و ہیبت دلوں پر طاری اور رعب غالب ہو، تو خطرہ کی جانب قدم بڑھانا اور صبر و استقامت کے دامن کو ہاتھ سے جانے نہ دینا نفس کے لئے بہت ہی دشوار ہے۔

یہ شجاعت، جس کی بدولت قوموں کے بہادروں نے غیر معمولی ناموری اور شہرت حاصل کی، اور جس میں آنحضرتؐ کا بھی ایک گراں قدر حصہ تھا، میرے نزدیک اس شجاعت کے مشابہ و مماثل نہیں ہو سکتی،

جس سے آنحضرتؐ سرفراز ہیں، بلکہ اول الذکر شجاعت کا شمار تو بہادری کے اعلیٰ ترین صفات میں بھی نہیں ہوتا، البتہ آپ کی اصلی شجاعت دعوتِ حق کو اپنی قوم میں ایسے نازک دَور میں پیش کرنا ہے، جب کہ اس کے خلاف ان کے دل نفرت و بیزاری کے جذبات سے معمور ہوتے ہیں، یہ ہے آپ کی شجاعت کہ آپ تکلیفوں اور مسلسل ایذا رسانیوں پر صبر اختیار کرتے ہیں، اِسے کہتے ہیں ہمت و اِستقلال کہ قریش کے لوگ آپ کے چچا ابوطالب اور آپ کے خاندان والوں سے، جنھوں نے آپ کا اِتباع کیا اور حمایت و مدد کی، قطع تعلق کرنے کے لئے آپس میں معاہدہ کرتے ہیں، اور وہ معاہدہ صحیفہ کی شکل میں کعبہ کی چوکھٹ پر آویزاں کیا جاتا ہے، یہ تمام تین سال تک ابوطالب کی گھاٹی میں محصور رہتے ہیں، اِس کے باوجود آپ اپنے گھر میں برابر نماز پڑھتے اور قرآن مجید کی باواز بلند تلاوت فرماتے ہیں، یہ ہے آپ کی بہادری کی اعلیٰ مثال کہ آپ اپنے مددگاروں (انصار) کو مسلسل ایذاؤں اور پیہم تکلیفوں سے نجات دلانے کے لئے حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم کرتے ہیں، اِسے کہتے ہیں صبر و تحمل کہ ان کے بعد آپ مصیبتیں جھیلنے اور مصائب و حوادث کا مقابلہ کرنے کے لئے تنہا رہ جاتے ہیں، یہ ہے آپ کی اِستقامت و شجاعت کہ آپ کے مددگار اور ہمدرد چچا ابوطالب اور آپ کی مونس و غمگسار رفیقہ حیات حضرت خدیجہؓ کا یکے بعد دیگرے اِنتقال ہو جاتا ہے، پھر اس کے بعد آپ مکّہ میں قیام پذیر ہوتے ہیں جہاں فتنہ و فساد کی آندھیاں اور حوادث کی مسموم ہوائیں اس زور سے چلتی ہیں، کہ جن کے مقابلہ کی تاب مضبوط اور ٹھوس پہاڑ بھی نہیں لا سکتے تھے، یہ ہے کوہ استقلال اور ثبات و عزیمت کی مستحکم چٹان

کہ آپ پر طرح طرح کی سختیاں روا رکھی جاتی ہیں، آپ سے ساتھ تمسخر آمیز برتاؤ کیا جاتا اور ہر جگہ آپ کی دعوت کا مذاق اڑایا جاتا ہے، ہجرت کے بعد جب آپ کے تمام انصار یثرب لوٹتے ہیں، تو آپ ایک دن بیچ ایک ان بیت اللہ میں اپنی نماز اور فرائض با آواز بلند ادا کرتے اور قرآن مجید کی تلاوت بھی علی الاعلان فرماتے؛

یہ وہ واقعات وتمثیلات ہیں، کہ اگر ان کی صحیح طور پر تصویر کھینچی جائے، اور لوگوں کے روبرو دلکش پیرایہ میں بیان کیا جائے، تو ان کی بدولت ہر ملک اور ہر نسل کے بہادروں کے سینوں میں اسی قسم کی شجاعت کے جذبات پیدا ہوں گے اور آپ تمام ادیان وملل کے لئے خواہ وہ توحید پرست ہوں، یا مشرک، سفید نسل کے ہوں یا سیاہ نسل کے ہر ایک کے لئے شجاعت کے پیشوا تسلیم کئے جائیں گے۔

یہ وہ نفسی وادبی شجاعت واستقامت ہے، جو کسی کے تمسخر سے کم زور نہیں ہوسکتی، نہ کسی کی وعیدیں اور دھمکیاں اس کو فرو کرسکتی ہیں اور نہ لالچ اس کے جوہر کو دھندلا کرسکتا ہے، اخلاق محمدی نے اس درجہ جو غیر فانی سند قبولیت حاصل کی ہے، یہ محض شجاعت ہی کا ایک کرشمہ ہے، جو تاریخ عالم کے صفحات پر زرین حروف میں آشکارا ہے۔

استہزاء وتمسخر، جس کو قریش نے بطور آلۂ کار استعمال کیا، پائے استقلال کو ٹھکرانے میں اپنے اندر کافی اثر رکھتا ہے، یہ ہتھیار جسمانی تکلیفوں اور ایذاؤں کے مقابلہ میں بڑے بڑے بہادروں کی جرارت کو ناک میں ملا دیتا ہے؛

ایک مرتبہ آپ نے صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر قریش کو بلایا،

جب وہ سب جمع ہوگئے، تو ان کو خدائے تعالیٰ کے حساب و عذاب سے ڈرایا
کسی نے بھی آپ کی بات نہ سنی اور سب کے سب واپس لوٹ گئے، آخرکار
ابولہب نے کہہ دیا "تو ہلاک ہوجائے، کیا اسی لئے ہمیں تو نے بلایا تھا؟"

قریش آپس میں ایک دوسرے سے کہا کرتے تھے لَاتَسْمَعُوْا هٰذَا الْقُرْآنَ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ "یہ قرآن نہ سنو، بلکہ اس کے سننے کے وقت شور مچاؤ، تاکہ تم اس پر غالب ہوجاؤ۔

وہ خود اس امر سے بخوبی واقف تھے، کہ تمسخر و استہزاء کا ہتھیار بہ نسبت تکلیف دہی وایذا رسانی کے زیادہ موثر اور کارآمد ہے، اسی وجہ سے وہ لوگ اس پہلو سے غافل نہ رہے، جب قرآن پاک نے اُن کو شجرۃ الزقوم (درخت تھوہر) کی وعید سنائی، تو انھوں نے حد سے زیادہ بے اعتدالی شروع کر دی، بعضوں نے مذاق کے پیرایہ میں کہا اے قریش کی جماعت! کیا تم زقوم کے درخت سے واقف ہو، جس سے محمدؐ تمہیں ڈراتا ہے؟

جب قرآن مجید میں دوزخ کے سلسلہ میں یہ تذکرہ آیا، کہ دوزخ پر انیس فرشتے مامور ہیں، تو ابوجہل نے آنحضرتؐ کا تمسخر کرتے ہوئے کہا اے قریش کی جماعت! محمدؐ کا گمان ہے کہ خدا کے لشکر کی تعداد، جو تمہیں دوزخ میں ڈھکیلنے کے لئے مقرر کی گئی ہے، کل انیس ہے، لیکن تم تعداد میں اس سے زیادہ ہو، کیا تمہارے ہر سو آدمی ان میں سے ہر ایک کا مقابلہ کرنے کے لئے کافی نہیں؟

قرآن مجید ان کے اس زعم باطل کی تردید اس طرح کرتا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً وَمَا جَعَلْنَا	ہم نے دوزخ والوں (کے نگران کار) فرشتے ہی بنائے ہیں، اُن کی تعداد

عدّتهم الا فتنة للذين کفروا | ہم نے کافروں کے لئے محض فتنہ ٹھرایا ہے؛

جب آنحضرتؐ کسی محفل میں لوگوں کو دعوتِ حق سناتے رہتے، تو نضر بن حارث بھی آپ کے پیچھے پیچھے لگا رہتا، اور یہ لوگوں کو ایرانیوں کے افسانے اور رستم واسفندیار کی بہادری کی داستانیں سنایا کرتا اور کہتا اے قوم قریش! خدا کی قسم میں محمدؐ سے زیادہ اچھے اچھے قصے اور ہوش ربا افسانے سناتا ہوں، تم تمام میرے پاس جمع ہو جاؤ، جس طرح خدا اپنا کلام محمدؐ پر نازل کرتا ہے، میں بھی اس قسم کی داستانیں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں، یہ کہہ کر وہ لوگوں کو رستم واسفندیار اور ایران کے بادشاہوں کے واقعات سنایا کرتا۔

آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہ رضؓ کے ساتھ اس سے بڑھ کر مذاق اور تمسخر اور کیا ہو سکتا ہے؟

خباب بن ارت آنحضرتؐ کے صحابہ میں ایک کمزور اور غریب صحابی تھے، یہ تلواریں بناکر اپنے اوقات بسر کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ مکہ کے ایک صاحب اقتدار شخص عاص بن وائل کے پاس اپنی بنائی ہوئی تلوار کی اُجرت طلب کرنے کے لئے گئے، اس نے کہا خباب! کیا تمہارے پیغمبر محمدؐ کا یہ گمان نہیں ہے، کہ جنت میں ہر شخص کو اس کی خواہش اور آرزو کے مطابق تمام چیزیں ملتی ہیں، خباب نے جواب دیا بے شک! اس نے کہا اے خباب مجھے قیامت کے دن تک مہلت دو، میں بھی وہیں پہونچ کر تمہاری اُجرت دونگا، بخدا اے خباب تم اور تمہارے اصحاب خدا کے نزدیک مجھ سے زیادہ حقدار نہیں ہو سکتے۔

ولید بن مغیرہ مکہ میں اور ابو عروہ بن سعود ثقفی طائف میں واحد سردار تھے

یہ دونوں آنحضرتؐ کی تحقیر شان کی غرض سے کہتے تھے " لولا انزل هذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم" کیوں نہیں اتارا گیا یہ قرآن دو بستیوں کے کسی ایک بڑے شخص پر۔

باوجود اس تمسخر اور مذاق کے دعوت و تبلیغ کے کام میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہوئی۔ بخلاف اس کے صبر اور شجاعت کے پوشیدہ جوہر اور چمک اٹھے، کئی سال تک تمسخر و ایذا رسانی کا یہی سلسلہ جاری رہا۔ لیکن بہادری و استقامت اپنے جادۂ حق پر مستقل ہو کر دشمنوں کے دلوں میں رعب و ہیبت کے جذبات طاری کرتی اور نفسی شجاعت کی بلند پایہ سند حاصل کرتی رہی۔

جب استہزا و ایذا رسانی کے تمام اسلحہ ایک ایک کر کے ختم ہو چکے، اور ایک خود دار اور جری نفس نے ان تمام حملوں کو برداشت کر لیا تو مشرکین عرب کو چھٹکارا پانے کا صرف ایک راستہ نظر آیا اور وہ آپ کے قتل کا منصوبہ تھا، جب آپ کو اس کی اطلاع ملتی ہے، تو پوشیدہ طریقے سے ہجرت کر جاتے ہیں اور غار ثور میں پہونچ کر اپنے رفیق کو ہمت دلاتے ہیں " لَا تحزن ان الله مَعنا" غم نہ کر، خدا ہمارے ساتھ ہے۔

اس کے بعد ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے، جس میں تلوار چمکتی ہے، جیسا کہ اس سے پہلے نفس کے جوہر شجاعت کے صیقل سے چمک اٹھے تھے، آنحضرت صلعم نے صبر و رضا اور قہر و جفا کے مراحل یکے بعد دیگرے طے کر لئے اور ہر ایک

منزل پر اپنی مردانگی کے جوہر دکھاتے رہے، آپ کی کتاب شجاعت جس میں شجاعت کی تصویریں، صبر کی بہترین تمثیلیں اور عزم وہمت کے مستقل شاہکار ہیں، ہمیشہ تلاوت کی جائے گی"۔

آئینۂ وفا

ہم یہاں بطلِ اعظم کی وفا داری کی تصویر پیش کرنا چاہتے ہیں، کہ آپ اپنے دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ کس قسم کا وفادارانہ سلوک کیا کرتے تھے۔

وفا داری تمام مکارم اخلاق کی اصل ہے، اسی سے تمام قوموں جماعتوں اور افراد کی خوش گوار زندگی وابستہ ہے، اگر دنیا اس کی حقیقت سے روشناس ہو جائے اور اس کی پابندی کرے، تو سعادت و ارتقاء کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہو سکتی ہے۔

حسن وفا ایک وفادار انسان کے دل کی مسرت بخش کیفیت کا مظہر ہے، جس شخص کے ساتھ وفادارانہ برتاؤ کیا جاتا ہے، اس کا دِل محبت

و نیکی کے جذبات سے لب ریز ہو جاتا ہے، تمام کے نزدیک جذبۂ وفا ایک بلند رتبہ شئی ہے، ہمیشہ وفادار قوموں ہی کی دوستی سند قبولیت حاصل کرتی اور ان سے معاہدہ کرنے کے لئے پیش قدمی کی جاتی ہے۔

آئین وفاداری سے روگردانی کا نتیجہ ہے، کہ دنیا عجیب کش مکش اور پیچ و اضطراب کے عالم میں سرگرداں ہے، جب ایک کو دوسرے پر اعتماد ہی نہ رہا ہو، تو باہمی معاہدہ و اقراریوں کر برقرار رہ سکتا ہے۔

اگر عہد و پیمان کی شان و منزلت کا وہ تخیل، جس کو آنحضرتؐ نے پیش کیا تھا، نظروں سے اوجھل نہ ہوتا، تو آج دنیا کو اس پرفریب زندگی کے گورکھ دھندوں سے سابقہ نہ پڑتا، اگر مسلمان آنحضور اکرمؐ کے آئینۂ وفا کو پیش نظر رکھ کر آپ کے اصولوں پر چلتے اور دیگر اقوام کے لئے نمونہ بنتے، تو آج حکومتوں کے درمیان عظیم الشان تعلقات و روابط استوار ہوتے، صلح و آشتی اور انصاف و راست بازی کے ہر جگہ چرچے ہوتے، لوگوں کے جان و مال کی حفاظت ہوتی، اور ان کی آبرو کا دامن اس طرح چاک نہ ہوتا ہم یہاں آنحضرتؐ کی شانِ وفاداری کی چند اہم مثالیں پیش کرتے ہیں، جس سے اندازہ ہوگا، کہ آپ کی نگاہ میں اس کا درجہ کیا تھا۔

صلح حدیبیہ کے ایک سال پیشتر قریش نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا تھا، اس کے لئے وہاں کے اضلاع و اطراف سے آدمی جمع کئے گئے تھے، بنو قریظہ نے رسول اکرمؐ کے عہد و پیمان کو توڑ ڈالا، جس کی وجہ سے مسلمانوں پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، لیکن اللہ نے اپنے نبی کی مدد فرمائی اور آپ کے لشکر کو غلبہ عطا کیا اور مشرکین کے دلوں میں رعب و ہیبت طاری کر دی، تھوڑے ہی عرصہ میں آنحضرتؐ اپنی جمعیت کے ساتھ مکہ میں

گھس پڑتے ہیں اور حدیبیہ کے میدان میں خیمہ زن ہو جاتے ہیں، قریش اپنے قاصدوں کو آنحضرتؐ کی خدمت میں روانہ کرتے ہیں۔

عروہ بن مسعود ثقفی قریش کا قاصد جب واپس لوٹ کر اپنی قوم میں جاتا ہے، تو آنحضرتؐ کی اور آپ کی فوج کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے

"میں قیصر و کسریٰ کے دربار اور نجاشی کی سلطنت میں گیا، مگر خدا کی قسم کسی قوم کو اپنے بادشاہ کی اتنی قدر و منزلت کرتے ہوئے نہیں دیکھا، جتنی محمدؐ کے صحابہ ان کے نبی کی کرتے ہیں"

آنحضرتؐ کے پاس کافی فوج اور قوت موجود تھی، لیکن اس کے باوجود آپ ہمیشہ یہی اعلان کرتے رہے، کہ آپ کا ارادہ جنگ کرنے کا نہیں نیز فرماتے ہیں، قریش آج کے دن صلہ رحمی اور ربط تعلق کی درخواست کریں، تو مجھے اس کو قبول کرنے میں کوئی باک نہ ہوگا، جب سہیل بن عمرو قریش کی طرف سے نمائندہ بن کر صلح نامہ لکھوانے کے لئے آتا ہے، تو صلح نامہ میں ایک شرط ایسی بھی تھی، جس میں مسلمانوں کی سراسر حق تلفی معلوم ہوتی تھی، وہ شرط یہ تھی، کہ قریش کا کوئی شخص بغیر ان کی اجازت کے مسلمانوں میں جا کر پناہ گزیں ہو جائے، تو آنحضرتؐ اس کو واپس بھیجدیں اور اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص قریش میں مل جائے تو وہ اس کو واپس نہ کریں گے۔

اس کڑی شرط نے مسلمانوں کے جذبات میں ایک ہیجان سا برپا کر دیا، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کبھی حضرت ابوبکرؓ کی طرف جاتے ہیں اور کبھی آنحضرتؐ کے پاس اور کہتے ہیں، کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کیا وہ لوگ مشرک نہیں؟ کیا آپ خدا کے رسول نہیں؟ بھلا کیوں کہ ہم اس یک رخی

شرط کو قبول کرلیں، جس میں ہمارے دین کی شان وعظمت کی توہین کی گئی ہے" آنحضرت جواب دیتے ہیں "میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں اس کے حکم سے سرتابی نہیں کرسکتا، مجھے یقین ہے، کہ وہ مجھے ہرگز کوئی زک یا نقصان نہیں پہونچائے گا" ادہر ابوبکرؓ پکار کر کہتے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں، کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، اس شرط کو قبول کرلینے میں ایک بہت بڑا راز مضمر ہے، جس کو وہ لوگ نہیں جان سکتے" یہ موقعہ تھا اللہ کی جانب سے مسلمانوں کے صبر و استقامت کو آزمانے کا، ادہر مسلمان بحث ومباحثہ میں حیران وسراسیمہ تھے، ادہر آنحضرت قریش کے سفیر سہیل بن عمرو سے معاہدہ وصلح کی گفتگو سے فارغ ہوچکے تھے اور ابھی عہد وپیمان لکھا نہیں گیا تھا، کہ اتنے میں ابوجندل اپنی بیڑیاں پہنے ہوئے پناہ کی خاطر حاضر ہوجاتے ہیں:

یہ ابوجندل اسی سہیل بن عمرو کے بیٹے ہیں، جو مشرکین کے ہاتھ سے بھاگ کر مسلمانوں کے پاس چلے آئے تھے، سہیل نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا، تو اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے محمدؐ! اس کے آنے سے پیشتر ہی میرے اور آپ کے درمیان زبانی معاہدہ طے ہوچکا ہے" آنحضرتؐ نے جواب دیا ہاں درست ہے، ادہر ابوجندل پکار پکار کر کہہ رہے ہیں،

اے مسلمانو! کیا میں پھر مشرکوں کے پاس پلٹ جاؤں، اور وہ مجھے ایذائیں پہونچا پہونچا کر موت کے گھاٹ اتار دیں؟

سوچنے اور غور کرنے کا مقام ہے، کہ یہ حقایق و واقعات محمد عربیؐ کی بے نظیر شجاعت پر کس حد تک شاہد ہیں، یہ آپ ہی کے بس کی چیز تھی،

کہ مدینہ سے بلاخوف مضطرا اپنے لشکر کو ساتھ لے کر نکل پڑتے ہیں، پھر ذرا اس کو بھی غور کیجئے، کہ آنحضرتؐ کے صحابہ میں سب سے زیادہ معتقد اور مقرب ہستی پر عجیب ہیجانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اس کا بھی تصور کیجئے کہ قریش کے ذی عزت گھرانے کا ایک فرد اسلام کی خاطر طوق و سلاسل گلے میں کھینچے ہوئے، پناہ کی خاطر آتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ اس کا بھی مشاہدہ کیجئے، کہ آنحضرتؐ بغیر کوئی حیلہ بہانہ ڈھونڈھے، معاہدہ ابھی لکھا بھی نہیں گیا تھا، سہیل سے فرماتے ہیں، کہ تم سچ کہتے ہو، پھر یہ شخص اپنے دشمنوں کی جانب آنسو بہاتے ہوئے راضی برضائے الٰہی واپس لوٹ جاتا ہے؟

اگر کسی کو اس قسم کی مثال پیش کرنے کا دعویٰ ہے تو سامنے آئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حیرت انگیز واقعہ کو، جو عہد نامہ لکھنے سے قبل ہی سرزد ہوا تھا اور اس سلسلہ میں آپ کے ان کلمات کو، جو آپ نے ارشاد فرمایا تھا، تاریخ عالم کے صفحات ہی کو کھنگال کر پیش تو کر دے۔

دشمنوں کے ساتھ وفاداری کی اس سے بڑھ کر اور کونسی مثال ہو سکتی ہے، دین اسلام میں اس کی بڑی ہی اہمیت دی گئی ہے، مسلمانو اور مشرکین کے درمیان اگر کسی قسم کا معاہدہ ہو چکا ہے، تو اگر ایک مسلمان کسی مشرک کو قتل کر دے، تو مقتول کے رشتہ دار برابر اس سے دیت لینے کا حق رکھتے ہیں، اور جب مسلمانوں کا عہد و پیمان کسی قوم سے نہیں ہے، تو مسلمانوں کی طرف سے کوئی دیت ادا نہیں کی جائے گی۔ کوئی اجنبی قوم مسلمانوں سے عہد کر چکی ہے، تو ان کے خلاف

کوئی مسلمان اپنے کسی مسلمان کی مدد نہیں کر سکتا، اسی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے:

وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم و بینھم میثاق.	دین کے کام میں اگر وہ تم سے مدد مانگیں، تو تمہارا فرض ہے، کہ تم ان کی مدد کرو، مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں جس کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو۔

معاہدہ و پیمان کی شان و احترام کے متعلق یہ وہ حقایق ہیں، جو قیامت تک یادگار رہیں گے:

وفاداری کا یہ مظاہرہ دشمنوں کے ساتھ عہد و پیمان کے سلسلہ میں تھا، لیکن دشمن کے ساتھ اس وفادارانہ سلوک کا بھی مشاہدہ کیجئے، جو ایک جنگ میں مارا گیا تھا:

مطعم بن عدی قریش کے اشراف و روساء میں سے تھا، جس وقت آنحضرت ؐ طائف سے واپس تشریف لے آئے، جہاں ثقیف نے آپ کو بے حد ایذائیں پہونچائی تھیں، تو آپ نے مکہ کے بعض سرداروں کو بلایا اور امن و امان کے ساتھ زندگی گزارنے کا اُن سے عہد لینا چاہا، تو سبھوں نے انکار کر دیا۔ لیکن مطعم بن عدی آپ کی حمایت کے لئے تیار ہو گئے جب جنگ بدر کا واقعہ پیش آیا، جس میں قریش کے ساتھ بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ تو قریش کے صنادید اور بڑے بڑے سردار مارے گئے، جن میں مطعم بن عدی بھی شامل تھے، آنحضرت ؐ کے شاعر حسان بن ثابت نے مطعم کی موت پر مرثیہ لکھا، جس کا ترجمہ یہ ہے:-

"اے میری آنکھ قوم کے سردار پر آنسو بہا،
اگر روتے روتے آنکھیں خشک ہو گئی ہیں، تو
خون کے آنسو بہا، اس بڑے شخص پر رو، جو لوگوں
میں بہت ہی نیک اور ہر دلعزیز تھا، زمانے کی تمام
بزرگی اگر کسی ایک ہی شخص میں جمع ہو سکتی، تو اس
کا حق دار مطعم ہوتا، اس نے رسول اکرمؐ کو پناہ دی
اگر سعد و قحطان اور جرہم کے باقی ماندہ اشخاص سے
اس کی عظمت و بزرگی کا حال پوچھا جائے، تو وہ
یک زبان ہو کر کہیں گے، یہ وہ وفادار ہے، جس نے
اس دن، جب کہ سبھوں نے انکار کر دیا تھا، اپنے
ہمسایہ کو پناہ دی اور اس سے معاہدہ کیا، جب تک
آفتاب عالم تاب ان پر اپنی ضیا پاشی کرتا رہے گا،
تب تک یہ ان میں ذی عزت اور بلند مرتبہ
رہے گا۔"

حسان بن ثابت نے یہ مرثیہ مشرکین کے ایک ایسے شخص کی شان میں کہا تھا، جو محمدؐ اور آپ کے صحابہ سے جنگ کرنے کے دوران میں مارا گیا تھا، آپ اس مرثیہ کو شوق سے سنتے اور مسلمانوں کو اس کا جواب دیتے ہوئے خوشی کا اظہار فرماتے؛

کیا اس قسم کی وفاداری اور کشادہ دلی کی مثال تاریخ عالم میں کہیں دستیاب ہو سکتی ہے؟ کیا آنحضرتؐ انسانیت کی بلند چوٹی تک نہیں پہونچ گئے تھے، کہ آپ دشمن کی موت پر، جو جنگ میں مارا

جاملہے، افسوس کرتے ہیں، مروت ووفاداری کی اِس سے بڑھ کر کوئی مثال نہیں ملتی۔

اَب دیکھنا یہ ہے کہ مشرکین عرب کے ساتھ آپ ﷺ نے کس نوع کی وفاداری کا ثبوت دیا، صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی، کہ ہر شخص کو پورا اختیار دیا جائے، چاہے وہ محمد ﷺ کے ساتھ عہد کرے خواہ قریش سے خزاعہ اپنی جماعت کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے معاہدہ میں شریک ہو گیا جب قریش نے اپنا عہد توڑ دیا اور اپنے حلیفوں کے خلاف قبیلۂ بکر کو مدد پہونچائی تو عمرو بن سالم خزاعی اپنے معاہدہ کا مطالبہ کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے، اس وقت آپ مسجد میں رونق افروز تھے، یہاں پہونچ کر اُنھوں نے یہ اشعار پڑھے، جن کا خلاصہ یہ ہے:۔

"میں محمد اور آپ کے والد کی قسم کھا کر کہتا ہوں
خدا تمہیں ہدایت دے، مدد کے لئے تیار ہو جاؤ،
اور خدا کے بندوں کو مدد کی دعوت دو، تاکہ وہ ایسا
لشکر جرار لے کر آئیں، جو سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہا
ہو، کیوں کہ قریش نے تم سے وعدہ خلافی کی اور تمہارے
عہد و پیمان کو توڑ ڈالا ہے"

آخر کار آنحضرت ﷺ کو یہ سن کر فتح مکہ کے ساز و سامان کی تیاری میں عجلت سے کام لینا پڑا؛

دوستوں کے ساتھ آپ کی وعدہ وفائی کس قسم کی تھی، اُس کو بیان کرنے کے لئے دفتر بے پایاں کی ضرورت ہے، آپ بچپن سے لے کر اپنے آخری سانس تک کے لمحات میں نیکی اور وفاداری کا مجسمہ تھے۔

عبداللہ بن ابو حمسا صحابی کہتے ہیں، میں نے آنحضرتؐ سے ایک سودا کیا، اور کچھ دیر بعد اسی جگہ ملنے کا وعدہ کر کے چلا گیا، پھر مجھے یاد نہیں رہا کہ ملنے جانا ہے، تین دن کے بعد جب میں یہاں پہونچا، تو آپ اسی جگہ میرے اِنتظار میں تھے، جب مجھے دیکھا، تو صرف اتنا ہی فرمایا، کہ تم نے تکلیف دی، میں تین دن سے اِسی جگہ تمہارے اِنتظار میں ہوں" یہ واقعہ بعثت سے قبل زمانۂ جاہلیت میں پیش آیا تھا؛

عائشہ فرماتی ہیں، کہ آنحضرتؐ کی خدمت میں ایک بڑھیا حاضر ہوئی، آپ نے فرمایا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں مزینہ سے ہوں آپ نے فرمایا تم حسانہ سے ہو؟ ہاں تو کیا حال ہے تمہارا، اچھی تو ہو؟ کیسے گزر رہی ہے؟ اس نے جواب دیا" سب خیریت ہے" جب وہ چلی گئی تو میں نے پوچھا یا رسول اللہ! بڑھیا سے آپ کی پہچانت کب سے ہے! آپ نے فرمایا خدیجہ کے زمانے میں ہمارے پاس آیا کرتی تھی اس نے مجھ سے ایمان کا وعدہ کیا تھا؛

جنگ حنین کے بعد ——— جس میں آنحضرتؐ اگر ثابت قدمی اور اِستقلال سے کام نہ لیتے، تو قبیلۂ ہوازن نے مسلمانوں کا خاتمہ کر دیا ہوتا ——— ایک باغی وفد آپ کی خدمت میں اس مقصد کے لئے آیا، تاکہ آپ سے قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کرے، انھوں نے دیکھا، کہ آپ کی رحمت وشفقت کو جوش میں لانے کی کوئی صورت نہیں، کیوں کہ یہ جماعت اِسلام کی سخت ترین دشمن تھی، انہیں بھی اپنی گزشتہ غلطیوں کا کافی احساس تھا، مگر آنحضرتؐ ہی کی وفاداری میں انھوں نے اپنی جائے پناہ تلاش کی، یہ سوچ کر ان میں سے ایک نے کہا۔

اے محمدؐ! بے شک آپ کو ہماری وجہ سے بہت مشکلات اٹھانی پڑیں، لیکن نعمان بن منذر یا حارث بن ابی شمر غسانی سے، باوجود اس طرح زک برداشت کرنے کے، ان کے لطف وکرم کی اُمید تھی کہ وہ ہم کو اپنے قیدی واپس کر دیتے؟ آپ نے فرمایا میرے اور بنو عبدالمطلب کے پاس تمہارے جو قیدی ہیں، ان کو تم لے جا سکتے ہو وہ تمہارے ہی ہیں" مہاجرین اور انصار نے کہا، ہمارے ذمہ جو لوگ قید ہیں، وہ رسول اللہ کے ہیں، الغرض اس طرح ایثار سے ہوازن کے ایک ہزار قیدی رہا کر دیئے گئے، یہ وہ وفاداری اور حسن رواداری ہے، جو مغرور، باغی اور سرکش قوم کے ساتھ برتی گئی، کیا مشاہیر عالم کی زندگی میں اس قسم کی کوئی مثال مل سکتی ہے؟

تاریخ عالم کو کھنگال کر دیکھو اور اس میں گزشتہ وموجودہ لیڈروں اور پیشواؤں کی زندگی کے واقعات وحالات کو جمع کرو اور پھر اس واقعہ کے ساتھ ان کا موازنہ کرو؛

آنحضرتؐ خفیہ طور پر مدینہ میں فتح مکہ کی تیاریوں میں مشغول تھے یہاں تک کہ اس امر کو ابوبکرؓ وعائشہ رضؓ سے تک صیغہ راز میں رکھا تھا، جب آپ نے اپنے ارادہ کا اعلان فرمادیا، تو حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش کو فوراً ایک اطلاع نامہ لکھا اور اس کو ایک عورت کے ذریعہ روانہ کیا، وہ اس خط کو اپنے سر کے بالوں میں چھپائے ہوئے جا رہی تھی، کہ آپ کو اس کی خبر ہوگئی، آپ نے آدمی روانہ کیا، وہ راستہ میں گرفتار ہو کر آپ کے پاس لائی گئی پورا ماجرا دریافت ہونے پر آپ نے حاطب سے اس اقدام کا سبب دریافت کیا، انھوں نے کہا "یا رسول اللہ! خدا کی قسم

میں مسلمان ہوں، میں نے اپنا دین ہرگز تبدیل نہیں کیا، لیکن چونکہ میں ایسا شخص ہوں، کہ قوم میں میرا کوئی رشتہ دار یا مددگار نہیں ہے، وہاں میرے بیوی بچے ہیں، اس لئے ان کے تحفظ کی خاطر میں نے یہ صورت اختیار کی" حضرت عمرؓ بن خطاب نے کہا "یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں" آپ نے فرمایا اے عمر کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر میں شریک ہونے والوں کو درگذر اور معاف کر دیا ہے اور کہا ہے " اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم" تم جو چاہتے ہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا ہے" اس کے بعد یہ آیت نازل ہوتی ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا لاتتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیھم بالمودۃ۔	اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تاکہ تم ان کے ساتھ دوستی کا اظہار کرنے لگو۔

غور کرنے کا مقام ہے، کہ آنحضرتؐ کی، اپنے صحابہ کے ساتھ وفاداری کا یہ عالم ہے، کہ جنگ بدر میں شریک ہونے والوں کے دائرۂ مغفرت میں حاطب کو بھی شمار کرنے لگتے ہیں، جب آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور مرض شدت پکڑ گیا، تو منبر پر چڑھتے ہوئے فرمایا " اے مہاجرین کی جماعت! انصار کے ساتھ خیر خواہی کا سلوک کیا کرو، لوگ بڑھتے رہیں گے، لیکن انصار اپنی اصلی حالت پر قائم رہیں گے، یہی وہ میرے مددگار ہیں، جنھوں نے مجھے پناہ دی تھی، ان کے ساتھ حسن سلوک اور اچھے برتاؤ سے پیش آؤ اور ان کی خطاؤں کو درگزر کرتے رہو"

١٥٦
٩٩

یہ وفاداری بھی ملاحظہ کے قابل ہے، کہ آپ جنگ اُحد کے دن، جب کہ مقتولوں کی تجہیز و تکفین کا حکم دیا، فرماتے ہیں۔ دیکھو تو عمرو بن جموح اور عبداللہ بن عمرو کہاں ہیں، یہ دونوں دنیا میں بڑے ہی مخلص اور باصفا دوست تھے، ان کو ایک ہی قبر میں دفن کردو۔" یہ وہ حسن وفا ہے، جس کی آج ہمیں سخت ضرورت ہے، دنیا کا نظام اور کائنات کی زندگی اس وقت تک اصلاح پذیر نہیں ہوسکتی۔ جب تک کہ لوگ وفاداری کا یہ سبق نہ سیکھ لیں اور آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب کی جیسی ایمانی حرارت اپنے سینوں میں نہ پیدا نہ کریں۔ ۱۰؍۲؍۶۲

زہد و قناعت کا منارہ

دنیا کی زندگی پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ ہر شخص یہاں شاکی نظر آتا ہے، نہ تو مال دار، باوجود ہزاروں اور کروڑوں کا مالک ہونے کے، قناعت شعار ہے، اور نہ فقیر اپنی ما یکفی معاش پر رضامند، ایک طرف وہ سرمایہ دار ہیں، جن کے ہاتھوں میں دولت کی باگ ہے، وہ اس کو اپنی نفسانی خواہشات میں، جب چاہتے ہیں، موڑ دیتے ہیں، دوسری طرف مزدور طبقہ کے دل میں حصولِ زر کی عجیب عجیب تمنائیں کروٹیں لیتی رہتی ہیں، رو سا بھی اپنے سے کم رتبہ اشخاص کی بہ نسبت لہو و لعب اور خرافات میں کچھ کم نہیں، غرض کہ امیر و غریب، سرمایہ دار و مزدور سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں، انھوں نے زندگی کو عیش و عشرت کا

مشغلہ اور نفسانی شہوتوں کا مدعا سمجھ رکھا ہے؛

کیا یہ واقعہ نہیں ہے، کہ ہر خاندان بلکہ تمام عالم میں بہت سے ایسے افراد پائے جاتے ہیں، جن کے اذہان وقلوب پر دولت کی ہوس مسلط ہے اور ان کے جذبات واحساسات درہم ودینار کی جھنکار پر برانگیختہ ہو جاتے ہیں، اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے، کہ دولت کے نشہ کے لئے قوموں کے درمیان سخت تصادم برپا ہو گیا اور سرمایہ داری ان کی زندگی کا نصب العین ہے، کیا یہ روزمرہ کا مشاہدہ نہیں! کہ اس متاع ناپائے دار کے حصول کے لئے ایک قوم اپنی ہمسایہ قوم کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنانے سے کبھی دریغ نہیں کرتی، ایک طبقہ دوسرے طبقہ کو صفحۂ ہستی سے نیست ونابود کرنے پر تلا ہوا ہے، کیا ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ رہے ہیں، کہ جن لوگوں کو کچھ دولت ہاتھ آگئی ہے، وہ اپنی نفسانی خواہشات اور مادّی لذات میں کھو جاتے ہیں، اپنی ضروریات سے بڑھ کر مضبوط ومستحکم محلات تعمیر کرتے، باغ آراستہ کرتے اور شان دار سواریوں میں چلتے پھرتے ہیں اور دولت کے نشہ میں ایسے بدمست اور مغرور کہ لوگ ان کو لالچ، حسد اور رشک بھری نظروں سے دیکھتے ہیں۔

مختلف ملکوں، قوموں اور افراد کے درمیان کارگاہِ حیات میں نفسانی لذتوں اور مادّی خواہشات پر جو نزاع اور اختلاف برپا ہو رہا ہے اس کی مثال ان کتوں کی طرح ہے، جو ہڈیوں کو دیکھ کر آپس میں جھگڑ بیٹھتے اور ایک دوسرے کو بھنبھوڑنے لگتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے دنیا میں آنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا، کہ انسان کے دل سے دولت کے اس نشہ کو کافور کر دیں، جو انسانوں کو

گمراہی اور ضلالت کی عمیق وادی میں ڈھکیل چکا ہے' اور ان کو راہ راست دکھلائیں' ان کے بدنی ہیجانات کو ایک معتدل طریقہ پر بحال کر دیں؛ اور ان کے دلوں میں روحانی زندگی کی حقیقی تمنا پیدا کر دیں؛

آنحضور اکرمؐ کی ظہور قدسی کے وقت ساری دنیا اسی تباہ کن حالت کا شکار ہو چکی تھی' دولت و ثروت اور حسب و نسب ہی کو فضیلت اور تفوق کا سرچشمہ سمجھا جاتا تھا' پرہیزگاری' تقویٰ اور روحانی لذتوں کے تمام ذرائع کو خیرباد کہہ دیا گیا تھا' اس لحاظ سے آپ کو قناعت' پرہیزگاری اور دنیا کی بے ثباتی کی سچی تصویر پیش کر کے لوگوں کو فساد انگیز اثرات سے محفوظ کرنے کے لئے بہت کچھ جد و جہد سے کام لینا پڑا' آپ نے اپنی تعلیمات و ارشادات کے ذریعہ بیشتر پرہیزگار اور زاہد پیدا کئے' جنھوں نے اپنی زندگی میں روحانیت کو اصل اور مقصود بالذات قرار دیا اور مادی زندگی کو دوسرے درجہ میں رکھکر اس کو اُخروی زندگی کے حصول کا ایک ذریعہ شمار کیا؛ ۲۶

آنحضور اکرمؐ نے اپنی زندگی کے دوران میں اپنے فقر و غنا اور زہد و قناعت کے بے شمار عملی جواہر پارے پیش کئے' گھاٹی میں اپنے اہل و عیال اور اصحاب کے ساتھ محاصرہ کے دوران میں' مدینہ میں پناہ لینے کی حالت میں' اسی جگہ اسلامی سلطنت قائم کرنے کے زمانے میں تمام جزیرۂ عرب کے خزانوں اور غلاموں کے مالک ہو جانے کے بعد بھی غرض کہ ہر حیثیت سے اور ہر شعبۂ حیات میں اپنی مثالی تصویر کا ہر نقش مکمل طور پر اجاگر کر کے دکھایا' جود و سخا اور بخشش و کرم کا یہ عالم تھا' کہ کوئی بادشاہ اُس کی کیا تاب لا سکے گا' فقر و غربت کی یہ حالت کہ گھر آپ کا کھجور کی

پتیوں سے بنا ہوا، بستر خس پھوس کا، گھر میں ایک حصیر پڑی ہوئی غذا ایس جکی روٹی، سرورِ کائنات کی کل کائنات بس اتنی ہی اشیاء تھیں۔

ابن مسعود فرماتے ہیں "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ حصیر پر آرام فرما رہے تھے، آپ کے پہلوئے مبارک پر بوریہ کے نشانات بیٹھ گئے تھے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اجازت دیجئے کہ ہم آپ کے لئے حصیر پر بچھانے کا لحاف بنا دیں، تاکہ آپ اس کے کھردرے نشانات سے محفوظ رہ سکیں، آپ نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا سروکار؟ میری اور دنیا کی مثال اس سوار کے مشابہ ہے، جو درخت کے سایہ میں تھوڑی دیر آرام کرے اور پھر وہاں سے چل دے"

قتادہ روایت کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا جب اپنے کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو اس کو دنیا کے گورکھ دھندوں سے محفوظ رکھتا ہے"

بطل اعظم کی زندگی کی یہ زندہ مثالیں ہیں، جنھوں نے دنیا کی ظلمت کے پردے چاک کر دیئے ہر طرف روشنی پھیلائی۔ جب آپ کے پیرو بکثرت ہوگئے، اور آپ کا دین جا بجا پھیل گیا، تو تمام کے دل کشادہ ہوگئے اور انسانی نفس ظلمتوں اور تاریکیوں کو چیرتا ہوا بلند مرتبہ پر فائز ہوگیا، اس پر انوار ربانی اور تجلیات الٰہی کا ظہور رہا اور ارواح عالیہ اس پرتو نور اور برق تجلی سے فروزاں ہوگئیں اسلامی پہلا دور زہد و قناعت عدل و مساوات، خوش گوار زندگی اور حسن معاشرت کا آئینہ اور اسلامی محاسن و فضائل کا مجموعہ ہے، تاریخ عالم میں یہی وہ روح پرور اور نشاط آفریں دور کہلاتا ہے، جس میں ابو بکر صدیق رضؓ اور عمر فاروق رضؓ پیوند لگے ہوئے

کپڑے پہنا کرتے تھے، اس کے باوجود قیصر و کسریٰ آپ سے رشک و حسد کرتے تھے؛

کیا حضرت عمرؓ کا متاع زندگانی، آپ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہننے کے باوجود، عیش پرست اور سرکش طبقہ سے کم تھا؟ ہرگز نہیں، ایسی زندگی کی لذتیں کچھ الگ ہی نوع کے ہیں، جن میں حیوانیت کا ذرا بھی شائبہ نہیں، بلکہ ان میں انسانیت کا رنگ جھلکتا ہے، یہی وہ سرمایۂ روحانیت ہے، جس نے وجدانی زندگی کی بلندیوں تک پہونچا دیا، یہ متاعِ روح اور سرمایۂ حیات وہ ہے، جو نفس انسانی کے لئے موثر، بدن کے لئے موجب راحت اور وجود بشری کے لئے عنصری جزء ہے، آنحضرتؐ کے زہد و قناعت کی یہ وہ یونیورسٹی ہے، جس کے فارغ التحصیل ملکوں اور حکومتوں کے گورنر اور حکام بالا دست بنے، اور روزآنہ ایک درہم تنخواہ پر قناعت کرتے ہوئے اپنے ملک اور گورنری کے فرائض اور ذمہ داریوں کو اس خوش اُسلوبی اور حسن رائے و تدبر سے انجام دیا، کہ جس سے اُن کا خدا خوش اور تمام لوگ خوش تھے؛

ابن ہشام زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں، کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید کو روزانہ ایک دِرہم تنخواہ پر مکّہ کا گورنر بنایا، تو اُنھوں نے لوگوں میں یہ خطبہ دیا۔

"لوگو! خدا اس شخص کو بھوکا رکھے، جو ایک درہم ملنے کے بعد بھی بھوکا رہا، مجھے چونکہ آنحضرتؐ نے روزانہ ایک درہم مقرر فرمایا ہے، اِس لئے مجھے کسی اور چیز کی حاجت نہیں"

کیا ایسا کوئی گورنر نظر آتا ہے، جس نے اپنی زندگی روزانہ ایک درہم پر بسر کی ہو اور اس تنخواہ پر رضا مند ہو؟ یہ وہ قناعت کا سبق ہے، جس کو صحابہ رضؓ نے اپنے معلّم اکبر سے سیکھا۔

خود آنحضورؐ کی ذات اس پر بہترین شاہد ہے، آپ ایک مرتبہ مسجد سے باہر نکلے، راستہ میں ابوبکرؓ اور عمرؓ ملے، آپ نے باہر نکلنے کا سبب دریافت فرمایا، انھوں نے فرمایا کہ ہمیں بھوک نے بے تاب کر دیا ہے، اس لئے ہم گھر سے باہر نکلنے پر مجبور ہو گئے، میں بھی بھوک ہی کی وجہ سے باہر آیا ہوں، یہ کہہ کر آپ انھیں اپنے ساتھ ابو الھیثم کے گھر لے گئے، انھوں نے مکان میں روٹی پکانے کا حکم دیا اور خود بکری ذبح کی، میٹھا پانی جو کھجور کے درخت پر معلق تھا، انھیں پلایا، پھر دسترخوان چنا گیا، سبھوں نے کھانا کھایا، اور میٹھا پانی پیا، اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا "ہم سے قیامت کے دن آج کی اس نعمت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔"

نبی اکرمؐ اپنی اولاد سے بے حد محبت کیا کرتے تھے، آپ کی صاحبزادی فاطمہؓ جب آپ کے پاس تشریف لاتیں تو آپ اُٹھ کر ان کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے تھے، لیکن اس کے باوجود آپ کی صاحبزادی غربت کی زندگی بسر کرتی تھیں، چکّی پیسنے کی مشقت برداشت کرتیں، کبھی تو ان کے ہاتھ پانی کی مشکیں اٹھاتے اٹھاتے زخمی ہو جاتے تھے، ایک دن آنحضرتؐ سے آپ نے قیدیوں میں سے ایک خادم طلب کیا، تو آپ نے انکار فرما دیا۔

مروی ہے، کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تم خادم کی تمنا،

اور خواہش مجھ سے کیوں کرتے ہیں، حالانکہ ادھر اصحاب صفہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہیں؟ آپ ایک دن حضرت فاطمہ رضؓ کے پاس تشریف لے گئے، دیکھا کہ اُن کے ہاتھ میں سونے کا کنگن تھا، ایک عورت سے کہہ رہی تھیں کہ اس کنگن کو ابوالحسن نے ہدیہ دیا ہے، آنحضرت صلعم نے فرمایا! اے فاطمہؓ! کیا تجھے یہ پسند ہے، کہ لوگ کہیں کہ رسول اللہ کی صاحبزادی کے ہاتھ میں آگ کا کڑا ہے؟ یہ کہہ کر آپ چلے گئے، حضرت فاطمہ رضؓ نے اس کڑے کو فروخت کر دیا اور اس کی قیمت سے ایک غلام خریدا پھر اس کو آزاد کر دیا آنحضرت صلعم کو جب اس کی اطلاع ملی، تو آپ نے فرمایا "خدا کا شکر ہے، کہ اس نے فاطمہ رضؓ کو دوزخ سے نجات دی۔"

زہد و قناعت کی یہ وہ تعلیم ہے، جس کو بطل اعظم نے اپنے گھر والوں، اپنے اصحاب اور دنیا والوں کے روبرو پیش کی، حضرت فاطمہ رضؓ نے کنگن فروخت کیا اور اس کے بدلہ ایک غلام آزاد کیا، اس میں کوئی شک نہیں، کہ انھوں نے نفسانی طمانیت اور وجدانی لذت و سرور حاصل کیا، جو حصولِ سعادت میں اُس سونے کے کنگن سے بدرجہا بہتر ہے، جس کو زیب گلو کئے ہوئے اپنی دوسری سہیلیوں کے سامنے بطور آرائش و نمائش پیش کیا جائے۔

امام بخاری رحؒ حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے عروہ سے کہا "اے میرے ہمشیر زادے! ہم پر دو دو تین تین ماہ گزر جاتے تھے، لیکن آنحضرت صلعم کے گھر میں آگ روشن نہیں ہوتی تھی، میں نے کہا خالہ جان! پھر تمہاری گزر اوقات کیوں کر ہوتی تھی؟ عائشہ رضؓ نے کہا کھجور اور پانی پر ہمارا گزر ہو جاتا تھا، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے

انصاری ہمسایہ تھے، جن کے پاس دودھ دینے والی بکریاں تھیں، وہ رسول اللہ کو دودھ بھیج دیا کرتے تھے، جس سے ہم سیراب ہوا کرتے تھے۔

آپ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے، کہ کہیں سے آپ کے گھر سونا آیا، جب آپ نے اس سے آگاہی پائی، تو جلدی نماز پڑھی اور فوراً اپنے گھر گئے اور فقیروں اور مسکینوں پر سونا تقسیم کر دیا، کیوں کہ آپ اُس کو ناپسند سمجھتے تھے۔ 31 3/ق

عقبہ بن حارث کہتے ہیں، "ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی اور جلدی پڑھائی، پھر تیزی کے ساتھ اپنے گھر تشریف لے گئے، تھوڑی ہی دیر گذر رہی تھی، کہ باہر نکلے اور فرمایا، مجھے یاد آگیا، کہ میرے پاس تھوڑا سونا باقی رہ گیا ہے، مجھے خدشہ ہوا، کہ کہیں وہ پڑا نہ رہ جائے، اِس لئے میں نے اس کو تقسیم کر دیا، الغرض لوگوں کے درمیان اس تیزی کے ساتھ سونا تقسیم کر دیا جاتا تھا، حضرت عائشہؓ اپنے گھر کا نقشہ اس طرح بیان فرماتی ہیں، "آنحضور اکرمؐ کے گھر والوں نے آپ کی زندگی بھر گیہوں کی روٹی متواتر تین دن تک پیٹ بھر نہیں کھائی، نیز محمدؐ کے گھرانے والوں نے ایک دن میں ایسے دو قسم کے کھانے نہ کھائے، جس میں سے کھجور کی قسم کی غذا نہ ہوتی ہو۔"

حضرت انس رضؓ کہتے ہیں رسول اللہؐ نے فرمایا میں نے اللہ سے جتنا خوف کیا، اتنا کسی کو نہ ہوا، مجھے خدا کے راستہ میں جتنی ایذائیں پہونچائی گئیں، اتنی کسی نے برداشت نہیں کیں تین تین دن مجھ پر ایسے گزرے ہیں، کہ جن میں مجھے اور بلالؓ کو پیٹ بھر کھانے کے لئے کوئی چیز نہ ملی۔"

یہ تمام مثالیں آپ کے زہد و قناعت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں، آپ کا ہر قول آپ کے عمل کا آئینہ ہوتا تھا، جو دنیا کے لئے مشعل ہدایت کا کام دے سکتا ہے:

جن اشخاص نے سیرت پاک کا بامعانِ نظر مطالعہ کیا ہے، وہ بخوبی جانتے ہیں، کہ رسول اللہؐ کی زندگی کے تمام اقوال و افعال ایک دوسرے کے مطابق اور ہم آہنگ تھے، آپ کو فقر و فاقہ سے اِتنا خوف نہ تھا، جتنا ثروت و دولت کی فراوانی سے، آپ خزانہ رکھنے کو اور سرمایہ داری کو نہایت ناپسند رکھتے اور فرماتے تھے، قرض ادا کرنے کی غرض کے علاوہ آپ نے اپنے گھر میں تین دنیار کبھی نہیں جمع رکھے، اور یہ دعا کرتے تھے:
"اللّٰھم اجعل رِزق آل محمّدٍ کفافاً" پروردگار! محمدؐ کے گھر والوں کی روزی ضرورت کے مطابق بنا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ ہم رسول اللہؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ مصعب بن عمیر ایک پیوند لگی ہوئی چادر اوڑھے ہوئے حاضر ہوئے، آنحضرتؐ نے جب ان کو دیکھا، تو اُن کی گزشتہ نازو نعمت اور آرام و آسائش کی حالت کو یاد کر کے بے اختیار روئے، پھر صحابہ سے فرمایا، تمہاری اِس وقت کیا حالت ہو گئی جب کہ تم صبح میں ایک لباس اور شام میں ایک پوشاک تبدیل کرنے کے قابل ہو جاؤ؟ اور اپنے گھر پر ایسا غلاف چڑھانے لگو جیسا کہ کعبہ پر آویزاں کیا گیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا یا رسول اللہ! اس دن ہم موجودہ حالت سے بہتر حال میں ہوں گے اور خوب دلجمعی کے ساتھ عبادت میں مشغول رہیں گے؟ آپ نے فرمایا بلکہ تم اُس دن کی بہ نسبت آج بہتر حالت میں ہو۔

نبی اکرمؐ فقرا کی صحبت میں بیٹھنے کو پسند فرماتے تھے تاکہ اُن کے دِلسے
آسائش ونعمت اور زیب وزینت کے دل فریب تخیل وآرزو کو بجھا دیں،
عون بن عبداللہ بن عتبہ کہتے ہیں، میں مال داروں کی صحبت میں بیٹھا کرتا
تھا، اس کے باوجود میں جس قدر متفکر اور غم زدہ تھا، شاید ہی کوئی اور
ہوگا، میں اپنی سواری سے بہتر اوروں کی سواری اور اپنے کپڑوں سے
نفیس اوروں کے کپڑے دیکھا کرتا تھا، لیکن جب میں نے آنحضرتؐ
کو یہ فرماتے ہوئے سنا، کہ جب تم خود کو تمام مخلوق میں افضل دیکھنا چاہتے
ہو تو اپنے سے کم مرتبہ اور پست درجہ شخص کو دیکھو، تاکہ تم خدا کی نعمتوں
کا شکریہ ادا کرسکو، عبداللہ کہتے ہیں میں نے اس کے بعد سے فقیروں
کی صحبت اختیار کرلی تو مجھے سکون اور آرام نصیب ہوا؛

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے، کہ آنحضرتؐ اور آپ کے
صحابہ کی نظر میں فقر وغنا کے درمیان تفریق اور حد فاصل کیا ہے؟
ان دونوں کا کیا معیار رہے؟ ہم اس شبہ کے ازالہ کے لئے وہ آثار
وہ شواہد پیش کرتے ہیں، جو حدیث کی کتابوں میں مروی ہیں؛

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص اپنی جماعت
میں امن وسکون سے زندگی بسر کرے، صحیح وتندرست ہو، اس کے
پاس ایک دن کی خوراک بھی ہو، تو بس گویا اس نے دنیا حاصل
کرلی؛

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے، آنحضورؐ نے فرمایا کہ انسان
کو ان اشیاء کے علاوہ اور کسی چیز کی حاجت نہیں رہتی، رہنے کے لئے
گھر، بدن ڈھانپنے کپڑا، کھانے خشک روٹی اور پینے کے لئے پانی۔

ایک شخص نے عمرو بن عاص سے پوچھا، کیا ہم فقرا، مہاجرین میں سے نہیں ہیں، انھوں نے کہا کیا تیری بیوی ہے؟ اس نے کہا ہاں پھر پوچھا کیا تجھے رہنے کے لئے گھر ہے، کہا ہاں، انھوں نے کہا تب تو تو اغنیار میں سے ہے، پھر اس نے کہا میرے پاس خادم بھی ہے، یہ سن کر انھوں نے کہا پھر تو تو بادشاہ ہے؛

آنحضرت ؐ کے اصحاب نے آپ سے دریافت کیا، سوال نہ کرنے کے لئے کتنے مال کی ضرورت ہے، آپ نے جواب دیا جس کے پاس صبح یا شام کا کھانا رہ جائے۔

یہی وجہ ہے، کہ آنحضرت ؐ دست سوال دراز کرنے کو نہایت ہی ناپسند سمجھتے تھے، اور فرماتے اگر تم پر سوال کی حقیقت روشن ہو جائے، تو کوئی شخص بھی سوال کرنے کی جراءت نہ کرے" آپ بالخصوص انصار کو سوال کی ذلت برداشت کرنے سے ہمیشہ باز رکھتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک انصاری نے آپ کے سامنے دست سوال دراز کیا، آپ نے فرمایا تیرے گھر میں کوئی چیز ہے، اس نے کہا ہاں ایک چادر ہے جس کا ایک حصہ اوڑھتا اور ایک حصہ بچھا لیتا ہوں، نیز ایک برتن بھی ہے، جس میں پانی پیتا ہوں، آپ نے فرمایا یہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آ، وہ شخص انھیں آپ کے پاس لے آیا، آپ نے ان کو اپنے ہاتھ میں اٹھالیا اور فرمایا ان کو کون خریدے گا؟ ایک صحابی نے کہا میں ان کو ایک درہم میں خرید سکتا ہوں رسول اللہ ؐ نے فرمایا کیا کوئی ایک درہم اور زیادہ کرنے والا ہے؟ اسی طرح آپ نے یہ جملہ دو یا تین مرتبہ دہرایا، تو ایک شخص نے کہا میں ان کو دو درہم میں لوں گا،

آپ نے اُسے دو درہم پر دے دیا، اس کے بعد وہ درہم انصاری کو دیتے ہوئے فرمایا، ایک درہم سے اپنے گھر کے لئے کھانا خرید لے اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آ، چنانچہ اس شخص نے تعمیل کی اور کلہاڑی آپ کے پاس لے کر حاضر ہو گیا، آپ نے اپنے دست مبارک سے اس میں دستہ لگایا اور فرمایا جنگل میں جا اور لکڑیاں کاٹ کر بازار میں لا کر بیچ، پھر پندرہ دن کے بعد میرے پاس چلے آنا، اس نے ایسا ہی کیا، پندرہ دن بعد دس درہم کما لیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، چند درہم کے کپڑے خریدا اور باقی رقم سے غلہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کام تیرے لئے اس سے بدرجہا بہتر ہے، کہ تیرا چہرہ قیامت کے دن سوال سے داغ دار ہو۔

بعل اعظم انسانی اخلاق و مروت کا نمونہ تھے، لطافت اور پاکیزگی کے دل دادہ، فخر و تکبر اور زیب و نمائش کی چیزوں سے متنفر تھے۔

حضرت علی رض فرماتے ہیں کہ آنحضرت ؐ نے ریشم کو دائیں طرف کیا اور سونے کو بائیں جانب اور فرمانے لگے یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رض نے ایک ریشمی رنگین کپڑا دیکھا، جو فروخت کی غرض سے پیش کیا گیا تھا، آپ اس کو رسول اللہ ؐ کے پاس لے گئے اور کہا یا رسول اللہ! آپ اِسے خرید لیجئے اور عید کے مواقع پر اور مجلس وفود میں زیب تن فرمائیے، آپ نے فرمایا "یہ لباس اس شخص کے لئے سزاوار ہے، جس کا قیامت میں کوئی حصہ نہیں۔"

عرب کے سردار اور جزیرۂ عرب کے بادشاہ کی جود و سخا کا یہ عالم تھا،

کہ مال کی درآمد سے مسجد کا صحن بھر جاتا تھا، آپ لوگوں کو سارا مال تقسیم کر دیتے، جب گھر تشریف لے جاتے، تو کھجور کے درخت کے پھوس بھرے ہوئے بستر پر آرام فرماتے، عائشہ رضؓ کہتی ہیں، کہ آپ کا بستر چمڑے کا تھا، جس میں پھوس بھرا ہوا تھا، حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں، رسول اللہؐ کے پاس ایک ہی حصیر تھی، جس کو رات کے وقت تہ کرتے اور اس پر نماز پڑھتے، دن میں اس کو کھول دیتے اور اس پر اجلاس فرماتے، آپ کھانے میں بہت محتاط اور قناعت پسند واقع ہوئے تھے، فرماتے تھے انسان کے لئے چند لقمے کافی ہیں تاکہ اُن سے اس کی آنتیں سیدھی ہو جائیں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں، میں نے آپ کو میدہ کی روٹی کھاتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا، مجھے اس کا بھی علم نہیں، کہ آپ نے کبھی دسترخوان پر بیٹھ کر کھایا ہو۔

سہل بن سعد سے کسی نے پوچھا کیا نبی اکرم رضؓ نے کبھی چھنے ہوئے خالص آٹے کی روٹی کھائی؟ انھوں نے کہا کسی نے آپ کو بعثت سے لے کر وفات تک ایسی روٹی کھاتے ہوئے نہیں دیکھا؛

اِس قسم کے زہد و قناعت کے تصور سے آنحضرتؐ کا مقصد نہ تو مال کو ایک بیکار چیز ثابت کرنا تھا اور نہ اس زیب و زینت کو حرام قرار دینا تھا، جو اپنے حدود میں حلال کی گئی ہے، آپ نے بذات خود زہد کے بلیغ معنی سمجھائے کہ " دنیا میں زہد حلال کو حرام کرنے اور مال کو ضائع کر دینے کا نام نہیں، لیکن زہد کا حقیقی مفہوم یہ ہے، کہ تم کو اللہ نے حب مال و دولت سے نوازا ہے، تو تمہیں چاہیئے کہ اس کو دیکھ بھال کر

خرچ کریں، جب کبھی تم پر کوئی ناگہانی آفت و مصیبت نازل ہو جائے، تو تم ایسے مواقع پر صبر و استقلال سے کام لو، جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے بلیغ اشارہ فرمایا۔

"لکیلا تاسوا علی مافاتکم ولا تفرحوا بما اٰتاکُم" اس لئے کہ نہ تو تم فوت شدہ چیز پر افسوس کرنے لگ جاؤ اور اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت پر خوشی میں پھولے نہ سماؤ۔

آنحضرتؐ پاکیزگی، صفائی اور خوش وضعی کو بے حد پسند فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیا کرتے تھے؛ عطا ابن یسار روایت کرتے ہیں، کہ ایک شخص رسول اللہؐ کی خدمت میں اس ہیئت سے حاضر ہوا، کہ اس کے بال پراگندہ اور داڑھی منتشر اور بد وضع ہو گئی تھی آپ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا، گویا آپ اس کے بال کٹوانے کا حکم فرما رہے تھے، چنانچہ اس کی اصلاح سلیقہ کے ساتھ کرائی گئی، جب وہ آپ کے پاس لایا گیا، تو آپ نے فرمایا کیا یہ حالت اس شخص کی بہ نسبت بہتر نہیں، جو پریشان و پراگندہ بال آئے اور شیطان کی طرح بد حواس معلوم ہو!

آپ نے ایک آدمی کو اس وضع میں دیکھا، کہ اس کے کپڑے میلے اور گندہ تھے، فرمایا کیا یہ شخص اپنے کپڑے دھونے کی بھی طاقت نہیں رکھتا۔

عتبہ کی صاحبزادی ہندہ آپ کے پاس بیعت کی غرض سے آئی، آپ نے فرمایا جب تک تو اپنے دونوں ہاتھ تبدیل نہ کر دے گی میں تجھ سے بیعت نہ لوں گا، ناخنوں کے بڑھ جانے کی وجہ سے اس کے ہاتھ

درندہ نما پنجوں کی شکل اختیار کر چکے تھے، آپ کے اِس طرح کہنے کا مقصد یہ تھا کہ ہاتھوں کو ناخنوں سے صاف کر کے اُن پر مہندی لگا دی جائے۔

آنحضور اکرمؐ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ پاک اور نفیس ہے، خوش بو سے محبت رکھتا ہے، صاف و لطیف ہے، صفائی اور پاکیزگی کو دوست رکھتا ہے، سخی ہے، سخاوت پیشہ کو عزیز رکھتا ہے، بخشش و کرم والا ہے، لطف و کرم سے اُسے پیار ہے، تم بھی اپنے مکانوں اور صحنوں کو پاک صاف رکھو، اور یہودیوں کی سی مشابہت اختیار نہ کرو۔

آنحضرتؐ اپنے زہد و قناعت کی دنیا میں کبر و غرور، فضول خرچی اور نمائش و آرائش کو ناپسند سمجھتے تھے، مسلمانوں کا بھی فرض ہے، کہ وہ قناعت شعار رہیں، بخشش و کرم کے دلدادہ اور نفاست پسندی و صفائی کے خوگر بن جائیں۔

بطلِ اعظم کا زہد و قناعت دنیا کے لئے ایک آئینہ ہے، جس میں آپ کی زندگی کے اصلی خط و خال نگاہوں کے روبرو آجاتے ہیں، جن کو دیکھ کر بآسانی یہ سبق حاصل کیا جا سکتا ہے، کہ ایک شخص کو خوش گوار زندگی بسر کرنے کے لئے کن چیزوں کی ضرورت ہے؟

آنحضرتؐ اپنے روبرو بوریہ پر نوے ہزار درہم دھرے ہوئے پاتے ہیں اور تمام کو تقسیم کر دیتے ہیں، اس کے بعد اسی بوریہ پر آرام فرماتے ہیں، جس کے نشانات آپ کے پہلو پر نمودار ہونے لگتے ہیں، یہ دیکھ کر آپ کے صحابہ آپ کو ایک لحاف بنا دینے کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں تو آپ قطعی انکار کر دیتے اور فرماتے ہیں، میری اور دنیا کی مثال اُس مسافر کے مشابہ ہے، جو ایک درخت کے سایہ میں آرام کیا اور پھر

وہاں سے اپنا راستہ لیا۔

جب آپ مرض الموت میں مبتلا تھے، آپ سے کسی نے کہا، کہ آپ کے گھر میں سات اشرفیاں دھری ہیں تو آپ نے اپنے گھروالوں کو حکم دیا، کہ وہ سب خیرات کردی جائیں، سب لوگ آپ کی عیادت میں مشغول ہوگئے اور اشرفیوں کو خیرات کرنے کا خیال ذہن سے نکل گیا، وفات سے کچھ دیر پہلے جب آپ کو کچھ افاقہ ہوا تو آپ نے حضرت عائشہ سے اُن سات دینار کے بارے میں دریافت کیا، انھوں نے جواب دیا، وہ ابھی تک انھیں کے پاس ہیں، آپ نے ان کو طلب کیا اور اپنے ہاتھ میں رکھ کر فرمایا، "محمد اس وقت اپنے پروردگار کو کیا جواب دے گا، جبکہ وہ خدا کے سامنے جائے گا، اور یہ اشرفیاں اس کے ساتھ ہوں گی"؟ یہ کہہ کر آپ نے ان کو فقراء میں بانٹ دیا، جب آپ وفات پائے، تو آپ کے جسم مبارک پر ایک چادر اور ایک موٹا پاجامہ تھا، یہی آپ کا لباس تھا، لیکن آپ نے دنیا میں ایک ایسا نور یادگار چھوڑا، جو زہد وقناعت کی پیشانی پر چمکتا رہے گا، اور انسانوں کو روحانی زندگی کی لذتوں سے مالا مال کرتے ہوئے ان کو راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا رہے گا، ان کے جذبات کو جسمانی ناپائیدار لذتوں اور بے ثبات آسائشوں سے موڑ کر ابدی اور سرمدی حیات کی جانب مائل کردے گا، آنحضرت ؐ کا زہد وقناعت دنیا کے تمام بہادروں اور زاہدوں کے لئے نمونہ ہوگا، گو اکثر وبیشتر افراد آپ کی جیسی قناعت اور زہد وفضیلت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے، لیکن آپ کے رتبہ اور درجہ تک ہرگز ان کی رسائی نہ ہوسکیگی، البتہ اس میں سے کچھ حصہ ان کو نصیب ہوگا۔

بردباری کا زندہ مجسّمہ

تواضع اور بردباری آنحضرت ؐ کی ایسی روشن ترین صفت ہے،
جو آپ کے نفسِ قدسی ہیں باوصف مرورِ زمانہ کے درخشاں نظر آئے گی،
درحقیقت آپ اِنسان کی عظمت وصداقت کا لطیف پیکر تھے، جس ہیں
آپ کے اِخلاص وفدائیت کا ایسا رنگ جھلکتا ہے، جو ریاکاری، تصنع
اور بناوٹ کے مظاہر سے پاک ہے؛

آنحضرت ؐ اِنسان کامل کی جیتی جاگتی تصویر اور بردباری کا زندہ مجسمہ
تھے، بردباری کے جذبات آپ کے دل کی گہرائیوں سے اُبھرتے تھے،
آپ شاہانہ شان وشوکت کے انداز اور ریاکارانہ آرایش وزیبائش
کے مظاہرہ سے کوسوں دور تھے، آپ کے کردار وگفتار ہیں اور

قول و قرار میں مکر و فریب کی ذرا بھی آمیزش نہ ہوتی تھی، آپ کی بردباری اور تواضع کا یہ عالم تھا، کہ آپ بغیر تکلف و تصنع کے، اپنے دور و قریب کے لوگوں دوستوں اور دشمنوں، گھر والوں اور شاہی سفیروں غرض کہ ہر کس و ناکس سے خندہ پیشانی سے ملاقات فرماتے تھے

آپ جیسا حسن صورت تھے، ویسا ہی حسن سیرت بھی تھے، آپ کے تمام کردار و حرکات فطری تھے، جو آپ کے اخلاق کا آئینہ دار تھے، جس زمانے میں مسلمانوں نے ممالک فتح کئے، عدی بن حاتم طائی اپنا ملک چھوڑ کر روم کی طرف بھاگ نکلے تھے، اس کے بعد ملک شام آئے اور یہاں سے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ اپنا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں، کہ مجھے شاہ مدینہ سے ملنے کی آرزو تھی، میں آنحضرتؐ کے پاس آیا، آپ مسجد میں تشریف فرما تھے، میں نے سلام کیا، آپ نے فرمایا تم کون ہو؟ میں نے کہا عدی بن حاتم، آپ اُٹھے اور مجھے اپنے ساتھ لیکر اپنے گھر کا رُخ کیا، راستہ میں ایک بڑھیا ملی، اس نے اپنی کچھ ضروری گفتگو کی وجہ سے آپ کو بہت دیر تک ٹھہرا لیا، میں نے اپنے دل میں کہا خدا کی قسم یہ بادشاہ تو نہیں معلوم ہوتے، پھر رسول اللہؐ مجھے گھر لے گئے، ایک چمڑے کا تکیہ، جس میں کھجور کی پھوس بھری ہوئی تھی، میری طرف سرکاتے ہوئے فرمایا، اس پر بیٹھ جاؤ، میں نے کہا پہلے آپ تشریف رکھئے کیونکہ یہ آپ کے سزاوار ہے، آپ نے اِصرار کیا، میں اس پر بیٹھ گیا، اور خود حضورؐ زمین پر بیٹھ گئے، میں نے اپنے دل میں کہا یہ تو بادشاہ کی شان نہیں ہے، اِس کے بعد آپ نے فرمایا تم رَکوُسِیّ (رکوسی، نصرانیہ و صابئیہ کے مابین ایک دینی فرقہ) نہیں ہو؟ میں نے جواب دیا

بے شک آپ نے فرمایا کیا تم اپنی قوم میں غنیمت کا مال لئے ہوئے نہیں جا رہے ہو، میں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا یہ تو تمہارے دین میں جائز نہیں ہے، مجھے محسوس ہو گیا، کہ آپ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں، آپ کو خفیہ امور کا علم ہے، اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا شاید تمہیں دین اسلام میں داخل ہونے سے یہ امر مانع ہو، کہ اس میں اکثر مفلس و محتاج شامل ہیں، خدا کی قسم عن قریب وہ زمانہ آنے والا ہے، کہ دولت کا سیلاب چاروں طرف سے ایسا امنڈ پڑے گا، کہ اس کو لینے والا تک کوئی نہ ملے گا، شاید تمہیں اسلام لانے سے یہ احتمال ہو، کہ اس میں مسلمانوں کے دشمن زیادہ ہیں، اور مسلمانوں کے پاس ساز و سامان اور آلات و اسلحہ کی کمی ہے، بخدا بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے، اور تم سن لوگے کہ ایک عورت جنگ قادسیہ میں اپنے اونٹ پر سوار ہو کر بلا خوف و خطر دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلے گی، اور غالباً یہ امر بھی تمہیں باز رکھنے پر آمادہ کر رہا ہو کہ ان میں بادشاہ اور سلطان کوئی نہیں ہے، عن قریب وہ دور آئے گا اور تم سنو گے کہ ارض بابل کے تمام محل فتح کر لئے جائیں گے" عدی کہتے ہیں کہ آنحضرت کی اس تقریر نے میرے دل پر بہت اثر کیا، اور میں نے اسلام قبول کر لیا۔

عدی نے اپنی زندگی ہی میں مشاہدہ کر لیا کہ، قادسیہ اور بابل کے قصر و کاخ عربوں نے فتح کر لئے۔

آنحضرت ؐ کے حسن سلوک اور بلند اخلاق کی یہ مثال ہے، کہ ادھر عدی کا قبیلہ قید ہے، ادھر عدی قیدی بنکر آپ کے پاس آتے ہیں، آپ انھیں اپنے خاص تکیہ پر بٹھاتے ہیں، اور خود زمین پر بیٹھ جاتے اور

بے تکلف اُن سے گزشتہ و آئندہ معاملات کے بارے میں گفتگو فرماتے ہیں ۔

آپؐ کے صاحبزادہ ابراہیم کی وفات کے بعد سورج گرہن ہوگیا ، تو لوگوں نے کہا ابراہیم کی موت سے ایسا ہوگیا ہے' یہ سُن کر آپ مسجد میں منبر پر کھڑے ہوئے فرماتے ہیں "چاند اور سورج خدا کی دو نشانیاں ہیں' کسی کی زندگی یا موت کی وجہ سے ان کو گرہن نہیں لگتا ، جب تم یہ گرہن دیکھو تو نماز پڑھو اور صدقہ و خیرات دو"

آپ کا یہ وہ پاکیزہ دل ہے' جو عشق حقیقی کے نشہ سے لبریز ہے' لوگوں کے شکوک و شبہات اور ان کے توہم پرستانہ خیالات کو کس تواضع پسندانہ انداز اور دلکش پیرایۂ میں دور کرتے ہیں ۔

جابر بن عبداللہ کا واقعہ آپ کی تواضع پسندی کو ثابت کرنے کے لئے بیّن دلیل ہے' وہ خود اپنا ماجرا اس طرح بیان کرتے ہیں' کہ مدینہ میں ایک یہودی رہتا تھا ، جو مجھے بطور قرض کھجور دیا کرتا تھا ، اتفاقاً ایک موسم ایسا آیا کہ درختوں پر کھجور نہیں لگے ' یہودی میرے پاس اپنے کھجوروں کا مطالبہ کرنے کے لئے آیا ' میں نے دیکھا کہ میرے پاس بھی کھجور نہیں ہیں ' میں نے اس سے ایک سال کی اور مہلت چاہی اس نے اِنکار کردیا ۔

آنحضرتؐ کو جب یہ خبر پہونچی تو آپ نے صحابہ سے فرمایا ' ذرا چلو ہم یہودی سے جابر کے لئے مہلت طلب کریں ' یہ تمام میرے باغ میں آئے' آپ نے یہودی سے گفتگو شروع کی ' وہ کہنے لگا " اے ابوالقاسم ! میں کسی صورت میں بھی مہلت نہیں دے سکتا ' آپ وہاں سے اُٹھے اور باغ کا طواف کیا پھر یہودی سے اس معاملہ میں گفتگو کی وہ اپنی ہی راگ الاپتا رہا ۔

اس مرتبہ بھی انکار کر دیا، اتنے میں میں نے تھوڑے سے کھجور آپ کے سامنے لا کر رکھ دیئے، آپ نے انھیں کھایا اور فرمایا تیرا جھونپڑا کدھر ہے جابر؟ میں نے اشارہ کیا، آپ نے اس میں بستر ڈالنے کا حکم دیا، میں نے بستر بچھا دیا، آپ نے کچھ دیر آرام فرمایا، پھر بیدار ہوئے، دوبارہ کچھ کھجور آپ کے پاس میں نے حاضر کیا، آپ نے انھیں کھایا، پھر اٹھ کھڑے اور یہودی سے اس معاملہ میں کلام فرمایا، اس نے اس مرتبہ بھی انکار کر دیا، آپ نے فرمایا اے جابر! جا کھجور درختوں پر سے اتار لے اور اپنا قرض ادا کر لے" حضرت جابرؓ کہتے ہیں، کہ خدا نے ان کھجوروں میں اتنی برکت عطا فرمائی کہ جس سے قرض بھی پورا ہو گیا اور بہت سے کھجور بچ رہے۔

یہودی اور جابر کے مابین آپ کی یہ محاکات اور مکالمہ تواضع و بردباری اور کھانے اور سونے کے انداز کی کیفیت کو پیش کرتا ہے، انتہا میں جب آپ یہودی سے مایوس ہو گئے، تب قرض کی ادائیگی کا حکم فرمایا۔

ذیل کی امثال و واقعات سے معلوم ہوگا، کہ آپ اپنے اصحاب کے گھر بھی جاتے، تو ان سے کس طرح اجازت چاہتے تھے۔

قیس بن سعد بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ملنے کے لئے ہمارے گھر تشریف لائے، اور فرمایا۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ، میرے باپ نے سلام کا جواب آہستہ سے دیا، میں نے اپنے باپ سے کہا کیا رسول اللہؐ کو اندر آنے کی اجازت نہ دیں گے؟ جواب دیا ابھی نہیں، آپ کے بکثرت سلام لینے کے بعد، پھر آپ نے فرمایا السّلام علیکم ورحمۃ اللہ، اس کے بعد آپ لوٹ گئے، سعد آپ کے پیچھے دوڑتے ہوئے گئے اور کہا یا رسول اللہؐ میں آپ کا سلام سن رہا تھا۔

اور آہستہ سے اس کا جواب دے رہا تھا اور اس انتظار میں تھا کہ آپ کے زیادہ سے زیادہ سلام قبول کرتا رہوں، آنحضرت پھر ان کے ساتھ واپس تشریف لے آئے، سعد نے آپ سے غسل فرمانے کی درخواست کی، آپ نے غسل فرمایا، پھر زعفرانی رنگ کی چادر پیش کی گئی آپ نے اُسے اوڑھ لیا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی، اللھم اجعل صلوٰتک ورحمتک علی آل سعد (اے اللہ تو اپنی رحمت اور سلامتی اولاد سعد پر بھیج) جب آپ نے واپس ہونے کا ارادہ فرمایا، تو سعد نے ایک خچر حاضر کیا اور قیس سے کہا اے قیس! آنحضرت کے ساتھ جا، چنانچہ میں آپ کے ساتھ ہولیا، آپ نے فرمایا میرے ساتھ سوار ہوجا میں نے انکار کیا تو فرمایا، یا تو تو سوار ہوجا یا واپس چلا جا، میں وہاں سے لوٹ گیا ؎

یہ واقعہ ہے عرب وعجم کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا مدینہ کے ایک معزز انصاری سے، جس میں آپ بغیر اطلاع کے ان کے گھر پیدل تشریف لے جاتے ہیں اور واپسی میں خچر پر سوار ہوکر آتے ہیں اور ارادہ فرماتے ہیں، کہ میزبان ساتھی کو بھی پیچھے سوار کرلیں؛

آپ کی یہ وہ پاکیزہ روش تھی، جس کو دیکھ کر پوری دنیا آپ کی گرویدہ ہوگئی، اور آپ جس مقصد کو لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے وہ قریب قریب پورا ہو رہا تھا؛ اگر کسی کو یہ خیال گزرے، کہ شاہانہ طور طریق اور شان وشوکت کے مظاہر حسن اطاعت واتحاد کے لئے ضروری ہیں، تو آنحضرت کی سعد اور انصار سے دوستی وروا داری کا واقعہ دعوت اسلامیہ کی تاریخ میں زرین حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے؛

اگر آپ نے قیس کو خچر پر سوار کرلینا چاہا تو کوئی تعجب کی چیز نہیں،

کیوں کہ آپ کی یہ ہمیشہ کی عادت تھی، کہ آپ اپنے رفقاء کو خچر اور اونٹنی کے پیچھے سوار فرما لیتے اور باری باری سواری کرتے، ابن عباس رضؓ کہتے ہیں، کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے، تو بنو عبدالمطلب نے آپ کا استقبال کیا، آپ نے لڑکوں میں سے اپنے پیچھے اور سامنے ایک ایک کو سوار فرما لیا، معاذ کہتے ہیں، کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم کے خچر کے پیچھے سوار تھا، ایک آدمی آپ کے پاس پیدل آرہا تھا، اس کے ساتھ خچر بھی تھا، اس نے آپ سے کہا آپ اس پر سوار ہو جائیے یہ کہہ کر خود خچر کے پیچھے بیٹھ گیا، آپ نے فرمایا یہ جانور تیرا ہے، تو اس پر سامنے بیٹھنے کا حق دار ہے، جب تک کہ تو میرے لئے اسے مختص نہ کردے، اس نے کہا میں نے آپ کے لئے اسے خاص کر دیا؛

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں، کہ رسول اللہؐ اپنی سواری پیچھے کر لیتے اور کمزور سواری کو آگے کر کے اپنے ساتھ کر لیتے پھر ان کے لئے دعائے خیر فرماتے، آپ کو تکبر اور تبختر یعنی خرام ناز سے چلنا نہایت ناپسند تھا، آپ اکثر فرمایا کرتے تھے، جس کے دل میں تکبر کا ذرا بھی شائبہ ہو، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا؛ ایک شخص نے کہا کوئی شخص اچھی پوشاکیں پہنے تب بھی؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جمیل ہے جمال کو دوست رکھتا ہے کبریائی تو حق تعالیٰ ہی کے سزاوار ہے۔

ابوہریرہ سے مروی ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ قومیں باز رہیں، جو اپنے گزرے ہوئے باپ دادا پر فخر کیا کرتی ہیں؛ خدائے تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے فخر وغرور کو زائل کر دیا ہے، پرہیزگار مومن ہے، بدکار گنہگار ہے، تمام لوگ آدم کے بیٹے ہیں، اور آدم مٹی سے

پیدا کئے گئے؛

اِس حدیث سے پتہ چلتا ہے، کہ آنحضرتؐ تکبر کے ذکر سے اور متکبروں سے کس قدر برہم تھے، اگر باپ دادا پر فخر کرنے میں لوگوں کو کچھ امتیاز و فوقیت حاصل ہو سکتی، تو تمام جزیرۂ عرب میں محمد بن عبداللہؐ کے سوا فخر کرنے کا اور کون مستحق ہو سکتا تھا، لیکن آپ نے حسب و نسب اور جاہ و مرتبہ کا امتیاز اُٹھا دیا مساوات اور اُخوت کا درس دیا، اور فرمایا "ان اکرمکم عنداللّٰہ اتقاکم۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم سے زیادہ بہتر وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار رہے" اگر کسی کو فضیلت ہے، تو عمل صالح اور نیک کرداری کی بدولت؛

ایک مرتبہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ سفر میں تھے، سبھوں نے کھانا تیار کرنے کا ارادہ کیا، آپس میں کام کی تقسیم کر لی، آپ نے لکڑیاں جمع کرنا شروع کیں، آپ کے اصحاب نے چاہا کہ خود جمع کریں، لیکن آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا خدا کو یہ چیز ناپسند ہے، کہ کوئی شخص اپنے ساتھیوں سے ممتاز رہے۔

ایک اعرابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو وہ خوف سے لرز رہا تھا آپ نے اس کو اس طرح خوف کھانے سے منع کیا اور فرمایا، کہ آپ قریش کی ایک اس عورت کے بیٹے ہیں، جو سوکھا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی۔

آپ عصا ٹیکے ہوئے اپنے صحابہ کی مجلس میں داخل ہوئے، تمام آپ کی تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے، آپ نے فرمایا تم عجمیوں کی طرح ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے نہ اُٹھو، اِسی طرح آپ ہاتھوں کو بوسہ دینے سے منع فرماتے تھے اور اس کو عجمیوں کا تشبہ تصور کرتے تھے؛

آنحضرتؐ بڑے بڑے القاب سے یاد کرنے کو ناپسند سمجھتے تھے، بنو عامر کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا آپ ہمارے سردار اور آقا ہیں، آپ نے فرمایا آقا تو اللہ ہی ہے، انھوں نے کہا آپ فضیلت و بزرگی میں ہم سے بڑھ کر ہیں، آپ نے فرمایا تمہارے اِس قول کے لئے شیطان تم کو نہ اُبھارے؛

ابو بکرہؓ فرماتے ہیں، کہ ایک شخص نے آنحضرتؐ کے روبرو کسی کی تعریف کی، آپ نے فرمایا افسوس تجھ پر، تو نے اپنے ساتھی کی گردن پر چھری چلا دی، یعنی تعریف و توصیف سے تو نے اس کو ہلاک کر دیا، کیوں کہ اس سے اس میں فخر و غرور کا جذبہ پیدا ہوگا جو اس کی ہلاکت کا موجب ہوگا گویا یہ اس کا قاتل ہوا؛

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے، کہ تعریف کرنے والوں کے منہ میں خاک جھونک دیں۔

آنحضرتؐ تبختر و خرام، کبر و ناز، مبالغہ آمیز گفتگو اور لغویات سے لوگوں کے دل مائل کرنے کو نہایت مذموم سمجھتے تھے، اور فرماتے تھے، میرے نزدیک تم سے محبوب اور قیامت کے دن مجھ سے قریب تر وہ شخص ہے، جو بہترین اخلاق و صفات سے آراستہ ہو، اور میرے پاس نہایت بُرے اور قیامت کے دن مجھ سے دور تر وہ لوگ ہیں، جو تکبر و سرکشی کرتے، تکلف و تصنع کی باتیں بناتے اور منہ بنا بنا کر ناز و انداز سے گفتگو کرتے ہیں۔

آپ کے نزدیک یہ چیز نہایت بُری تھی، کہ خطیب اپنی فصاحت کے زور سے لوگوں کے دل و دماغ پر مستولی ہو جائے اور اُن کے جذبات کو

اپنے قابو میں کرلے۔

آنحضرتؐ کا ارشاد ہے، کہ جو شخص اس غرض کے تحت علم سیکھے، کہ اس کے ذریعہ عوام کے دل مسخر کرلے، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی کوئی دادخواہی نہ کرے گا؛

آپ فرمایا کرتے تھے طنزیہ گفتگو کرنے والے اور طعنہ دینے والے ہلاک ہوگئے، الغرض آپ کو ناشایستہ گفتگو اور غیر مہذب حرکات سے ہمیشہ نفرت اس لئے تھی، کہ آپ کی تواضع پسند اور بردبار طبیعت ریاکاری اور تصنع پر مظاہر سے بالکل علیحدہ تھی۔

آپ کی بردباری میں تواضع کا پہلو غالب تھا، آپ ادب واحترام کے مجسمہ اور تواضع وانکسار کے پیکر تھے، لوگوں کو آپ پہلے سلام کرتے، ہر چھوٹے بڑے سے خندہ پیشانی سے گفتگو فرماتے، جب کسی سے مصافحہ کرتے تو تاوقتیکہ دوسرا شخص خود ہی ہاتھ نہیں چھوڑتا آپ تھامے رہتے، جب صدقہ دیتے تو صدقہ کو اپنے ہاتھ سے مسکین کے ہاتھوں میں رکھتے، آپ اپنے صحابہ کی مجلس میں جلوہ فرما ہوتے، تو مجلس جہاں ختم ہوتی، وہیں بیٹھ جاتے اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے، کسی پر سختی نہ کرتے خود بازار جاتے اور اپنا سامان خود ہی اٹھا لاتے اور فرماتے میں اس کو اٹھانے کی طاقت رکھتا ہوں۔

آپ نے فوج کے سپہ سالار ہونے کے باوجود، مزدوروں پر، خواہ مدینہ کی مسجد کی تعمیر کے وقت ہو، یا خندق کھودنے کے زمانے میں، کسی پر سختی نہیں فرمائی؛

آنحضرتؐ کا لباس اور مکان بھی بالکل سادہ تھا، آپ کا لباس

عام لوگوں کے لباس کی طرح تھا، دولت وحکومت کی زمام قبضۂ اقتدار میں آنے کے باوجود، آپ مٹی اور اینٹ سے بنے ہوئے حجروں میں رہتے تھے، ہر حجرہ کے درمیان کھجور کے درختوں کی ڈالیوں سے بنی ہوئی دیوار تھی جس کو مٹی سے چسپاں کیا گیا تھا اور دیواروں کو چمڑے یا سیاہ بالوں کی چادر سے ڈھانپا گیا تھا۔

آزاد وغلام فقیر وکنیز کی دعوت کو قبول فرما لیتے، معذرت خواہ کا عذر سنتے تھے، اپنے کپڑوں کو خود پیوند لگاتے اور اپنے جوتے اپنے ہی ہاتھ سے سی لیا کرتے تھے، اپنی خدمت آپ کر لیتے، اپنے اونٹ کو باندھتے خادم کے ساتھ کھاتے، مصیبت زدہ اور محتاجوں کی ضرورتوں کو پوری کیا کرتے تھے۔

باوجود اس بردباری، تواضع اور ملنساری کے، آپ کے ہیبت و وقار اور محبت ورعب میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی، آپ کا سراپا اس طرح بیان کیا گیا ہے، کہ جو کوئی آپ کو یکایک دیکھ لیتا، اس پر ہیبت طاری ہو جاتی، جو آپ کی صحبت میں بیٹھتا، آپ اس کو محبوب سمجھتے آپ کے درمیان اور آپ کے صحابہ اور دیگر لوگوں کے درمیان ادب و احترام اور محبت و وقار کا تعلق تھا، آپ میں ذرا بھی کبر کا شائبہ نہیں نظر آیا، مگر آپ بے ادبی یا گستاخی سے ناراض ہو جاتے، اور آپ نے اکثر و بیشتر اوقات میں اپنے اصحاب کو آداب مجلس اور اصول خطاب کی تعلیم دی۔

سر ولیم مور آپ کی تواضع پسندی کا اس طرح خاکہ کھینچتا ہے:۔

"آپ کی پوری زندگی تواضع کا پیش کرتی، آپ اپنے

ایک ادنیٰ پیرو کے معاملہ میں بھی نہایت ادب واحترام
سے پیش آتے تھے، تواضع، شفقت، صبر، ایثار، اور
جود و کرم آپ کی شخصیت کی لازمی صفات تھیں، جنھوں
نے سبھوں کو اپنا گرویدہ اور فریفتہ بنا دیا تھا، یہ کبھی دیکھنے
میں نہیں آیا، کہ آپ نے ادنیٰ درجہ کے لوگوں کی دعوت
کو یا حقیر سے حقیر ہدیہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہو، اہل
مجلس میں سے کسی پر آپ اپنی تعلّی اور فوقیت نہیں جتاتے
تھے، جب کسی ایسے شخص سے ملتے، جو اپنے مقصد کے پورا
ہونے کی وجہ سے خوش خوش نظر آتا ہو، تو اس کا ہاتھ روک
لیتے اور اس کی خوشی میں خود بھی شریک ہو جاتے، جب کسی
غم زدہ اور آفت رسیدہ شخص سے ملتے تو اس کی ہمدردی
دلجمعی اور غم گساری فرماتے، تنگ دستی اور فقر و فاقہ کے
زمانے میں لوگوں کو اپنی خوراک تقسیم فرماتے، آپ کو اوروں
کے آرام و آسائش کا بے حد خیال رہتا ؎

آنحضرتؐ کی سیرت کا موازنہ اوروں کے اقوال سے کرنے کی
ہمیں کوئی ضرورت نہیں، کیوں کہ آپ کا تمام دنیا کے انبیاءؑ، پیشوا اور رہبادروں
میں ممتاز درجہ رکھنا ہی آپ کی زندگی کی فلاح و کامرانی کی واضح ترین دلیل
ہے، لیکن ہم نے سرولیم مور کا ایک واضح قول اِس لئے درج کیا، تاکہ ہم کو
یہ معلوم ہو جائے، کہ غیر قومیں بھی آپ کے بلند پایہ کردار کی کس طرح تصدیق کرتی
ہیں، اگر ہم حقیقی معنی میں آنحضرتؐ کی سیرت سے درس لیں، تو آج بھی ہماری
نظروں میں عہد نبوت کی زندگی کی عظمت کا نقشہ تیار ہو سکتا ہے، آج بھی

آپ کی یاد ہمارے دلوں کو وہی تروتازگی وشادابی بخشے گی، جیساکہ صحابہ کے دلوں کو، آپ کی عظیم الشان ہستی اور آپ کے بلند پایہ اخلاق کسی کے چھپائے نہیں چھپ سکتے بلکہ رات اور دن خفیہ وعلانیہ، ظاہر و باطن، تنگ دستی وفراخی، قوت وضعف غرض کہ ہر ستضاد حال میں آپ کے اوصاف کے جوہر چمکتے ہوئے نظر آئیں گے ؛

آنحضرتؐ اپنے بلند پایہ اخلاق کے ساتھ ساتھ تواضع اور بردباری کے نقطۂ نظر سے بہت بڑی شخصیت کے مالک تھے، آپ کا نفس قدسی زندگی کے مختلف مظاہر واحوال میں جلوہ گر تھا، یہی نفس آسمانی تعلقات سے مربوط تھا، تو دوسری طرف دنیوی زندگی سے متعلق، لوگوں کے میل جول سے سرگرم تھا، تو دوسری جانب ان کی محبت سے سرشار، الغرض محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے ہر دور میں ایک عظیم المرتبت ہستی تھے، جس کے ہم ہر شعبۂ حیات میں محتاج ہیں، یہی وہ مثالی تصویر ہے، جس پر اسلام کے اجتماعی نظام کی بنیاد قائم ہے، جس نے تمام انسانوں کو اخوت اسلامی کے ایک ہی رشتہ میں منسلک کر رکھا ہے، اس کے مقابلہ میں دولت وتونگری، حسب ونسب اور جاہ وحشمت کا کوئی رتبہ نہیں، جو مومن ہے، وہ پرہیزگار رہے، اور جو بدکار رہے وہ گنہگار رہے لوگ آدم کی اولاد ہیں اور حضرت آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔

بندگی کا اِنقلابی تصوّر

ہم یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت پر روشنی ڈالیں گے
آپ کی طبع فیاض میں یہ صفت حد درجہ روشن تھی، نماز آپ کی آنکھوں
کی ٹھنڈک اور نفس کی طمانیت تھی، آپ اگر ان عبادت گزاروں میں سے
ہوتے، جنھوں نے رہبانیت اختیار کر کے دنیا سے قطع تعلق کر لیا یا اُن
صوفیا میں سے ہوتے جنھوں نے دنیا کی تمام لذتوں کو خیرباد کہہ کر
گوشہ نشینی اِختیار کر لی، تو آپ کی عبادت کوئی نئی چیز نہ ہوتی، ایک مورخ
اور ناقد آنحضرت ؐ کی زندگی میں خاص طور سے جس چیز پر نگاہ ڈالتا ہے
وہ یہ ہے کہ دنیا کے امور کی انجام دہی اور زندگی کی دیگر ضروریات
وعلائق سے وابستہ ہو کر دینی فرائض بالخصوص اِنتہا درجہ کی عبادت کی

ادائیگی نہایت ہی تعجب خیز اور حیرت انگیز امر ہے، کیوں کہ دین و دنیا کو ہم آہنگی کے ساتھ گزارنا انتہائی مشکل چیز ہے، ایک طرف آنحضرتؐ اپنے اہل و عیال خادم اور مسکینوں کی تربیت و سرپرستی کرتے ہیں، تو دوسری طرف اپنی اُمت کے اہم امور میں مشغول نظر آتے ہیں، سیاسی و حکومتی مہات انجام دیتے ہیں، بادشاہوں کے پاس اپنے سفیر روانہ کرتے ہیں اور ان کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں، آپ کی خدمت میں وفد آتے ہیں، آپ اُن کا استقبال کرتے ہیں، فوج تیار کرتے اور بذاتِ خود ان کی قیادت فرماتے ہیں، غیر قوموں اور سلطنتوں سے جنگ کرتے ہیں، فتح و کامرانی کی تدابیر سوچتے اور شکست خوردگی کے اسباب کا انسداد کرتے ہیں، گورنروں کا تقرر کرتے اور بیت المال کی نگرانی کرتے ہیں، اموال خود اپنے ہاتھ سے اپنے روبرو تقسیم فرماتے ہیں، ساتھ ہی ساتھ ارشاد فرماتے ہیں، اگر میں خود عدل و انصاف نہ کروں تو دوسرا کون کرے گا؟ دین حق کی تبلیغ کرتے، وحی و رسالت کے اسرار و رموز لوگوں کو سمجھاتے ہیں، اخبار و سنن کی تشریح اور اللہ کے احکام کی توضیح فرماتے ہیں۔

الغرض آپ نے اپنے ہر شعبۂ حیات میں اپنا جو مثالی کردار پیش کیا ہے وہ دنیا کے بہادروں کے لئے سبق آموز ہے، اِن تمام مصروفیتوں اور مشاغل کے باوجود آنحضرتؐ رات دن عبادت میں محو نظر آتے ہیں، اُن عابدوں اور زاہدوں سے بڑھ کر اللہ کی محبت میں سرشار رہتے، جو پہاڑوں کی چوٹیوں اور جنگلوں کے گوشوں میں بیٹھ کر اللہ کے دیدار کی طلب کرتے رہتے ہیں۔

بعلِ اعظم کے اس طرح سے دین و دنیا کو ہم آہنگ کرنے کی مثال انسانی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی، آپ نے اپنے دن کا ایک حصہ عبادت

کے لئے، ایک حصہ لوگوں کے لئے اور ایک حصہ اپنے گھر والوں کے لئے تقسیم کر رکھا تھا، لوگوں کی خدمت گذاری میں اگر زیادہ وقت صرف ہو جاتا تو اپنے گھر کے مقررہ اوقات میں کمی واقع ہو جاتی، لیکن آپ اوقات عبادت کی ہمیشہ حفاظت و نگہداشت فرماتے، اور اپنی تمام زندگی اسی مداومت اور پابندی میں گذاری، جو آپ کے دوستوں اور دشمنوں سب کے لئے موجب حیرت ہے۔

آپ توجہ خالص اور سعی پیہم کا مجسمہ تھے، جب عبادت کی طرف رجوع ہوتے، تو اپنی ساری توجہ اسی طرف مرتکز کر دیتے، اور جب کسی کام کا ارادہ فرماتے، تو اس کو پایۂ تکمیل تک پہونچائے بغیر لمحہ بھر چین نہ لیتے، مختلف قوموں اور ملتوں کے مورخین کا اس پر اجماع ہے، کہ آپ جو کام بھی کرتے اپنا دل و دماغ اسی میں صرف کر دیتے، آپ کی یہ بلند و برتر صفت لوگوں سے میل جول رکھنے کے وقت زیادہ نمایاں نظر آتی ہے، جب آپ کسی سے گفتگو فرماتے اپنا سارا دھیان اسی طرف مرکوز کر دیتے، جب تک خود مخاطب قطع کلام نہ کر لیتا، آپ اس کے سلسلۂ گفتگو کو منقطع نہ کرتے۔

یہی جد و جہد ہر نفس انسانی کے لئے ضروری ہے، دین و دنیا کے تمام شعبوں میں فلاح و بہبودی کا راز اسی میں مضمر ہے، بطل اعظم اپنے ان پیروؤں کے لئے اس کا عملی نمونہ تھے، جنہوں نے اپنی زندگی کا نصب العین اور لائحہ عمل اسی جد و جہد کو قرار دیا، جس کی بنا پر وہ حکومتوں کے بادشاہ قوموں کے سیاست داں اور زمانے کی سربرآوردہ ہستیاں کہلائے، اسی کا نتیجہ تھا، کہ رسول اکرمؐ نے بکریوں اور اونٹوں کے چرانے والوں، تجارت و زراعت پیشہ لوگوں، دہقانوں اور تہذیب سے ناآشنا انسانوں کو قیصر و کسریٰ

کی سلطنتوں کا مالک بنا دیا، یہ اس قابل ہو گئے، کہ دنیا کے حکمرانوں کو عدل و انصاف اور اخوت و مساوات کا سبق دے سکیں؟

آنحضرتؐ عہد طفولیت ہی سے فطری طور پر عبادت کی طرف مائل تھے، اسی میں آپ اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک اور روح کا سکون پاتے تھے، رسالت کے پیشتر مہینہ بھر مکہ کے باہر غارِ حرا میں خلوت گزیں ہوکر اللہ کی عبادت میں سرشار ہو جاتے، ایک شاعر نے کیا ہی بلیغ انداز میں کہا ہے:۔

"آپ کو بچپن ہی سے عبادت اور گوشہ نشینی سے محبت تھی، اور یہی شریفوں اور نیک طبع لوگوں کی عادت ہے، جب آپ کے دل میں ہدایت کا چشمہ پھوٹ نکلا، تو اسی چشمۂ نور سے آپ کے اعضاء نے سیرابی حاصل کی؟

فقہا اور ماہرین اصول و شرائع نے اِس امر میں اختلاف کیا ہے کہ آپ کی عبادت کی صورت نوعیۃ کیا تھی اور آپ کس شریعت کے پابند ہوکر عبادت کرتے تھے؟ اس کا طریقہ کیا تھا، اس اختلاف کی وجہ سے ان کے تمام اقوال باہم مشتبہ نظر آتے ہیں، لیکن یہ امر تاریخ سے پائے ثبوت و تحقیق کو پہونچ چکا ہے، کہ آپ کی عبادت اس طرح تھی، کہ آپ خالقِ کائنات میں غور و فکر فرمایا کرتے اور موجودات عالم کو دیکھ کر وحدانیت اور خالقیت پر استدلال کیا کرتے تھے، لیکن تاریخ سے کہیں یہ معلوم نہ ہوسکا، کہ آپ اگلی شرائع وادیان کے طریقہ سے عبادت کرتے تھے، آپ نے عہد رسالت اور رشد و ہدایت سے سرفراز ہونے کے پیشتر اس نظریۂ توحید کی تردید کی، جو گذشتہ ادیان و مذاہب میں گھڑ لیا گیا تھا یہاں تک کہ عربوں کے بعض عبادات مثلاً حج وغیرہ کے رائج شدہ طریقوں کو مذموم ٹھہرایا، اور شعائر حج کی ادائیگی

میں اپنے قبیلے کے طریقے اختیار نہیں کئے، بلکہ عرفہ میں ٹھہرنے اور افاضہ کرنے میں دیگر لوگوں کا اتباع کیا، قریش کی ان اکثر وبیشتر چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرلیا، جن کو وہ جاہلیت میں حلال سمجھتے تھے، آپ کی عقل سلیم نے جس کو صحیح سمجھا اسی کی پیروی کی، ہمیشہ طالب حق رہے، آپ کی عبادت محض غور وفکر اور ربوبیت میں تدبر پر منحصر تھی، آخر کار آپ کا سینہ ایمان ویقین کی تجلیات سے منور ہوجاتا ہے:

وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا ماکنت تدری ما الکتابُ ولا الایمان۔	اسی طرح بھیجی ہم نے تیری طرف ہمارے امر کی روح تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا۔

ووجدک ضالا فھدی: اس نے تجھے گمراہ پایا تو ہدایت کی، جب آپ کو ہدایت کا نور حاصل ہوگیا، تو آپ نے نماز پڑھنی شروع کردی آپ اور حضرت علیؓ مکہ کی گھاٹیوں میں جاتے اور خفیہ طور پر نماز پڑھتے اور شام کے وقت واپس آجاتے؛

آنحضرت کا دل نور ہدایت سے منور ہوگیا، تو آپ نے اللہ سے مسلسل ربط وتعلق پیدا کرلیا، اور آپ کا نفس خدا کی محبت میں سرشار ہوگیا، ہم بلاخوف تردید یہ دعویٰ کرسکتے ہیں، کہ آپ اپنی حرکت وسکون، خواب وبیداری غرض کہ ہر حال میں اللہ ہی سے تعلق رکھتے تھے، ذات خداوندی میں اس درجہ انہماک تھا، کہ اپنے خالق کے روبرو اتنی دیر تک کھڑے ہوتے کہ آپ کے پاؤں متورم ہوجاتے، مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں، آنحضرتؐ جب نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے، تو آپ کے قدم یا پنڈلیاں سوجھ جاتیں، آپ سے

جب اس کے متعلق پوچھا جاتا، تو فرماتے کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

ابن مسعود بیان کرتے ہیں، کہ ایک رات میں نے آنحضرتؐ کے ساتھ نماز پڑھی، بڑی دیر تک آپ نے قیام کیا، یہاں تک کہ میں ایک برا ارادہ کرنے پر آمادہ ہوگیا، پوچھا گیا، کہ آپ نے کیا ارادہ کیا تھا؟ کہنے لگے کہ میں نے قصد کیا کہ بیٹھ جاؤں اور آنحضرتؐ کا ساتھ چھوڑ دوں؛

عبداللہ بن عمرو بن عاص روایت کرتے ہیں، کہ آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا، خدا کو داؤد علیہ السّلام کی نماز سب سے زیادہ پیاری تھی اور ان کا روزہ تمام سے زیادہ عزیز، آپ نصف رات سوتے اور باقی تیسرے حصہ میں عبادت کے لئے کھڑے ہو جاتے، اور پھر چھٹے حصہ میں سوتے ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار فرماتے؛

آپ کو اپنی عمر بھر قیام شب اور تہجد گزاری کی عادت رہی، جس میں آپ دعائیں مانگتے اور اللہ سے اِلتجائیں کرتے تھے، اس سے پتہ چلتا ہے، کہ آپ محبت الٰہی میں کس قدر سرشار اور خشیت ایزدی سے کتنے لبریز تھے، آپ اکثر اس وقت یہ دعا فرماتے تھے؛

اللھم لک الحمد انت قیم السموات والارض ومن فیھن، ولک الحمد انت نور السموات والارض ومن فیھن؛ ولک الحمد انت ملک السموات والارض و	اے اللہ تمام تعریف تیرے لئے ہے، تو ہی آسمان اور زمین کی تمام چیزوں کو قائم رکھنے والا ہے، تیرے ہی لئے حمد ہے، تو آسمان و زمین کی تمام چیزوں کا نور ہے، تو ہی تعریف کے سزاوار ہے، تو آسمان و زمین اور ان کی تمام چیزوں کا بادشاہ

من فيهن، ولك الحمد
انت الحق ووعدك الحق
ولقاءك الحق وقولك
الحق، والجنة حق والنار
حق، والنبيون حق ومحمد
حق، والساعة حق، اللهم
لك اسلمت وبك امنت
وعليك توكلت، واليك
انبت وبك خاصمت
واليك حاكمت، فاغفرلي
ما قدمت وما اخرت
وما اسررت وما اعلنت
انت المقدم وانت المؤخر
لا اله الا انت، ولاحول
ولا قوة الا بالله۔

توہی تعریف کا مستحق ہے، توہی حق
ہے، تیرا وعدہ حق، تجھ سے ملنا
حق، تیرا قول حق، جنت و دوزخ
حق، انبیاء اور محمدؐ حق ہیں، اور قیامت
حق ہے۔ اے اللہ میں تیرے لئے
اسلام لایا، تجھ پر ایمان لایا، تجھ ہی
پر بھروسہ کیا، تیری ہی جانب رجوع
کیا، تیری خاطر دشمنی کی اور تیری
ہی راہ میں فیصلے چکایا، میرے اگلے
اور پچھلے گناہ بخشدے، میرے
پوشیدہ اور ظاہری گناہ معاف کردے
توہی سب سے پہلے اور توہی سب
سے آخر ہے، تیرے سوا اور کوئی
معبود نہیں، تمام قوت وطاقت کا
سرچشمہ صرف اللہ ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے تہجد کی شان میں اس طرح ارشاد فرماتا ہے؛

يَا اَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ
الليل الا قليلاً نصفهٗ
او انقص منه قليلاً او
زد عليه وَرَتّل القرآن
ترتيلاً انا سنلقي عليك

اے کپڑوں میں لپٹنے والے! رات
کو کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات
یعنی نصف رات یا اس نصف سے
کسی قدر کم کردو یا نصف سے کچھ بڑھا دو
اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو

قولاً ثقیلاً، اِنَّ ناشئۃ اللیل ھی اشد وطئًا واقوم قیلاً۔

ہم تم پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں بے شک رات کے اُٹھنے میں دِل اور زبان کا خوب میل ہوتا ہے اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے۔

چنانچہ آنحضرت اس حکم کی تعمیل پر کمربستہ ہوجاتے ہیں، اسی کو صحابہؓ کے ایک شاعر ابن رواحہ آنحضرتؐ کی شان میں فرماتے ہیں۔

"آپ ہم کو ہدایت کرتے اور جب آئندہ کے واقعات وحوادث سے ہمیں آگاہ کرتے ہیں، تو ہمارے دل اس کا یقین کرتے اور اس کی تصدیق کرتے ہیں، کہ آپ نے جو کچھ کہا ہے، وہ یقیناً ہو کر رہے گا، جس وقت مشرکین گہری نیند کے عالم میں مدہوش ہوتے ہیں، تو اس وقت آنحضرتؐ اپنے بستر سے علٰحدہ ہو کر اللہ کی یاد میں مصروف ہوجاتے ہیں۔"

آنحضرتؐ کے قلب و دماغ پر باری تعالیٰ کی ہدایت کا تصور اس طرح چھا گیا تھا، کہ ایک لمحہ بھی الٰہی ربط وضبط کا دامن آپ سے نہیں چھوٹتا آپ کا دِل محبت الٰہی، خشیتِ ایزدی، یادِ خداوندی اور اطاعت و فرماں برداری کے جذبات سے ہمیشہ لبریز رہتا، رات اور دن کے اکثر و بیشتر حصوں میں خشوع وخضوع کے ساتھ آپ عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے، آپ کے حسب منشا کوئی کام صادر ہو جاتا، تو آپ فرماتے تھے" الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات سب تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جس کی نعمت کے طفیل اچھے کام سرانجام

پاتے ہیں، آپ کی خلاف مرضی جب کوئی کام پیش ہوتا تو فرماتے "الحمد للہ علیٰ کل حال" ہر حال میں اللہ کا شکر و احسان ہے، جب کسی کام کا ارادہ فرماتے تو یہ دعا پڑھتے "اللھم خیرلی و اختر لی" اے اللہ مجھے بھلائی عطا کر اور مجھے پسند کر لے" جب سفر کا قصد فرماتے تو یہ دعا کرتے۔

"اللھم بك اصول و بك اجول" اے اللہ میں تیری راہ میں جا رہا ہوں اور تیری ہی راہ میں سفر کرتا ہوں ۔ سوتے وقت یہ دُعا کرتے "اللھم باسمك وضعت جنبی و باسمك ارفعه" اے اللہ میں تیرا نام لے کر سویا اور تیرے ہی نام سے اُٹھوں گا" بیدار ہوتے وقت فرماتے "الحمد للہ الذی احیانا بعد ان اماتنا و الیه النشور" تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے، جس نے ہمیں مردہ کرنے کے بعد پھر زندگی بخشی اور اُسی کی طرف اُٹھنا ہے، نئے کپڑے پہنتے وقت فرماتے۔

"الحمد للہ الذی رزقنی ما اتجمل به فی حیاتی" شکر و تعریف ہے اس خدائے پاک کے لئے، جس نے مجھے ایسی چیز عطا کی، جس کے ذریعہ میں اپنی زندگی میں زیب و زینت حاصل کر سکتا ہوں۔

کھانا کھانے کے وقت یہ دعا پڑھتے "الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمین" سب تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے، جس نے ہمیں کھلایا، سیراب کیا اور ہم کو مسلمان بنایا"

یہ دُعا پڑھ کر پانی پیتے "الحمد للہ الذی جعل الماء عذباً فراتاً برحمته و لم یجعله ملحاً اجاجاً بذنوبنا" حمد و شکر ہے اس خدائے پاک کا، جس نے پانی کو اپنی رحمت سے شیریں بنایا اور ہمارے گناہوں کی وجہ سے اس کو کھارا نمکین نہیں بنا دیا، اپنے بستر پر رات کے

وقت کروٹ بدلتے تو فرماتے :۔ "لا الٰہ الا اللہ الواحد القہار رب السمٰوات والارض وما بینھما العزیز الغفار" اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی اکیلا بڑے قہر والا ہے، آسمان، زمین اور اُن کے درمیان جتنی چیزیں ہیں ان سب کا پروردگار ہے، غالب ہے اور زیادہ مغفرت کرنے والا ہے۔

رات میں نیند سے جب بیدار ہوتے تو فرماتے "رب اغفر وارحم واھد للسبیل الاقوم" اَے پروردگار بخش دے اور رحم فرما اور سیدھے راستہ پر چلنے کی ہدایت دے۔

اللہ سے آنحضرتؐ کا رشتۂ توجہ ایک لمحہ کے لئے بھی جدا نہ ہوتا تھا، آپ کی طبیعت میں عبادت کا گہرا میلان پایا جاتا تھا، رات اور دن کی اکثر و بیشتر گھڑیوں میں آپ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے، نماز میں اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا سرور اور روح کی تسکین پاتے، اپنے صحابہ کو ان کی برداشت سے بڑھ کر کام کرنے کو منع فرماتے تھے، حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں، کہ آنحضرتؐ کو جب کوئی کام کرنے کی رغبت ہوتی، تو آپ محض اس خوف سے اس کو ملتوی کر دیتے، کہ مبادا لوگ اُسے فرض سمجھ کر کرنے لگ جائیں۔

حضرت اَنس رضؓ سے روایت ہے، کہ آنحضرتؐ نے دو یا تین دن تک مسلسل صوم وصال رکھا اس وقت رمضان کے آخری دن تھے، لوگوں نے بھی آپ کے اِتباع میں صوم وصال رکھا آپ کو جب اس کی اِطلاع ہوئی، تو فرمایا کہ اگر ماہ رمضان کے اور دن باقی رہتے، تو میں دیکھ لیتا کہ کون کون میرا ساتھ دیتے تھے، زیادتی کرنے والے تو باز رہ جاتے میں تمہاری طرح سے نہیں ہوں مجھے خدا کھلاتا پلاتا ہے، یعنی میری مدد کرتا ہے اور مجھے قوت و

توانائی عطا کرتا ہے:

حضرت عائشہ فرماتی ہیں، کہ آنحضرتؐ نے مسجد میں نماز پڑھی، تو آپ کے پیچھے بہت سے لوگوں نے بھی نماز پڑھی، دوسری شب بھی آپ نماز پڑھ رہے تھے، تو لوگوں کی تعداد پہلے سے زیادہ تھی، تیسری رات لوگ جمع ہوئے لیکن آپ تشریف نہیں لائے، جب صبح ہوئی، تو آپ نے ارشاد فرمایا میں نے تمہارا عمل مشاہدہ کر لیا، میں اس لئے نہ آسکا، کیوں کہ مجھے خوف تھا کہ یہ تم پر فرض نہ ہو جائے۔

حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں نماز پڑھ رہے تھے، میں آپ کے بازو کھڑا ہو گیا ایک اور شخص آیا وہ بھی کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ ہماری ایک جماعت بن گئی، جب آپ کو احساس ہوا، کہ ہم آپ کے پیچھے کھڑے ہیں، تو نماز میں جلدی کرنی شروع کر دی، اس کے بعد آپ گھر تشریف لے گئے، اور نماز پڑھی جو پہلی نماز سے زیادہ طویل تھی، میں نے صبح کے وقت پوچھا کہ کیا آپ نے ہمیں محسوس کر لیا تھا، آپ نے فرمایا ہاں اسی امر نے تو مجھے اس طرح کرنے پر آمادہ کیا:

اس میں کوئی شک نہیں، کہ آنحضرتؐ کے اندر اللہ سے اتصال وتعلق پیدا کرنے کی صلاحیت واستعداد بہ نسبت دوسروں کے بہت زیادہ تھی، آپ اپنی برداشت اور طاقت سے بڑھ کر کام کرنے کو اپنے لئے بہتر اور محبوب سمجھتے تھے، اس چیز کو صرف اپنے لئے مخصوص کر لیتے تھے، جب آپ کے صحابہ آپ کی اس بارے میں اتباع کرتے، تو آپ کو ان کی اس مشقت برداری اور غلو پسندی سے خوف دامن گیر ہو جاتا، ایک وہ ہستی جو عبادت کے اس اعلیٰ مقام پر پہونچ چکی ہو، جہاں تک کوئی شخص رسائی

نہیں کرسکتا، اور خدا کا وہ رسول، جس نے ایک ایسا سہل اور آسان دین پیش کیا ہو جو زندگی کے تمام حقایق کا حامل ہے، اگر لوگوں سے صرف اِس وجہ سے ناراض ہوجائے، کہ وہ دنیا سے قطع تعلق کرلینے اور عبادت گزاری ہی میں منہمک ہوجانے کا اِرادہ کرتے ہیں، تو یہ برہمی و برافروختگی اسی کے سزاوار ہے، اِسی ہم آہنگی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اِشارہ فرمایا ہے:-

وابتغ فیما آتاك اللہ الدار الآخرۃ ولا تنسَ نصیبك من الدنیا واحسن کما اَحسنَ اللہ الیك۔

اللہ نے جو کچھ تجھے عطا کیا ہے، اس سے آخرت کے گھر کا سامان تلاش کر اور دنیا کے اپنے حصّے کو بھی نہ بھول جا، اور جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے اسی طرح تو بھی احسان کر؛

ایک مرتبہ کسی سفر میں آپ کے اَصحاب میں سے ایک شخص نے ایک غار دیکھا، جس کے اطراف سبزہ اُگا ہوا تھا، اس کا دل گوشہ نشینی اور عبادت کرنے کی طرف مائل ہوگیا، آپ برہم ہوئے اور فرمایا، کہ میں یہود و نصاریٰ کا دین لے کر نہیں آیا، بلکہ حضرت ابراہیمؑ کا آسان اور سہل دین لایا ہوں؛

بعض صحابہ نے رہبانیت اور دنیا سے قطع تعلق اِختیار کرنے کا اِرادہ کیا، آپ سخت غضب ناک ہوئے اور اس سے باز رکھا ایک اور شخص نے ارادہ کیا تھا، کہ وہ عبادت کی غرض سے گوشت نہیں کھائے گا، آپ نے اس کو منع کردیا؛

حضرت اَنس فرماتے ہیں، کہ ہم نبی اکرمؐ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، ہم میں سے بعض روزہ دار تھے اور بعض اِفطار کرنے والے، سخت گرمی کے دن تھے، آپ ایک مقام پر اُترے، ہم میں سے اکثر لوگ چادروں کو

سائبان بناتے اور بعض اپنے ہاتھوں سے سورج کی تیز شعاعوں کو روکتے تھے، روزہ دار شدت تمازت کی تاب نہ لاکر گر پڑے، اور افطار کرنے والوں نے اپنے خیمے نصب کئے اور جانوروں کو پانی پلایا، آنحضرتؐ نے فرمایا "آج افطار کرنے والوں نے ثواب لوٹ لیا"

آنحضورؐ نے ہر چیز میں اعتدال پسندی اور میانہ روی کے جو اوامر واحکام نافذ کئے، وہ تمام صحابہ کے دلوں میں سرایت کر گئے، انھوں نے اپنے اور استاذ اعظم کے مقصد کو پہچان لیا، اور انہی قوانین واصول پر کاربند رہے، ایک مرتبہ سلمان فارسیؓ ابو درداء کے گھر آئے، یہ وہ اشخاص تھے جن کے درمیان آنحضرتؐ نے مدینہ میں برادری اور بھائی چارہ پیدا کر دیا تھا سلمانؓ نے دیکھا، کہ ابو درداء کی بیوی غم زدہ بیٹھی ہوئی ہیں، انھوں نے اس کا سبب دریافت کیا، ان کی بیوی نے جواب دیا، آپ کے بھائی ابو درداء کو دنیا سے کوئی سروکار نہیں رہا ہے، اتنے میں ابو درداء بھی آپہونچے، انھوں نے اپنے بھائی کے لئے دستر خوان چنا اور کہنے لگے آپ تناول فرمائیے میں روزہ سے ہوں، سلمان نے کہا میں تمہارے بغیر نہیں کھاؤنگا، چنانچہ یہ سن کر وہ بھی ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گئے، جب رات ہوئی، تو ابو درداء نے جانے کا قصد کیا، تو انھوں نے کہا سو جائیے تو وہ سو گئے، کچھ دیر بعد اٹھ گئے اور جانے کا ارادہ کیا، پھر انھوں نے کہا سو جائیے، جب رات کا آخری حصہ آپہونچا، تو سلمان نے کہا اب اٹھیئے ان دونوں نے نماز پڑھی، اس وقت سلمانؓ نے کہا تم پر اپنے پروردگار کا حق ہے، اپنے نفس کا حق ہے، اور اپنے گھر بار والوں کا حق ہے، تم ہر حق دار کا حق ادا کرو، اس کے بعد سلمانؓ آنحضرت کی خدمت میں

حاضر ہوئے اور یہ ماجرا بیان کیا، آپ نے سن کر فرمایا سلمان نے سچ کہا ہے:

انس بن مالک سے روایت ہے کہ تین شخص آنحضرتؐ کے گھر آئے اور آپ کی بی بیوں سے آپ کی عبادت کا حال پوچھا، جب انھوں نے اس کی خبر دی، تو انھوں نے آپ کی عبادت کو کم سمجھا اور کہنے لگے کہ ہم کہاں اور حضورؐ کہاں؟ خدا نے تو آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ کو معاف کر دیا ہے، ان میں سے ایک نے کہا میں ہمیشہ رات بھر نمازیں پڑھتا رہوں گا، دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے ہی رکھا کروں گا، اور افطار نہ کروں گا، تیسرے نے کہا میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا، اور کبھی شادی نہ کروں گا؛ آنحضرتؐ تشریف لائے اور آپ کو اس کی خبر ملی، تو فرمایا "کیا تم لوگوں نے ایسا ایسا کہا ہے؟ سنو! قسم اللہ کی میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور شادی بھی کرتا ہوں، جو شخص میری سنت سے رو گردانی کرے گا، وہ میری امت سے نہیں" یہی وہ میانہ روی اور اعتدالی روش ہے جس پر آنحضرتؐ نے سب کو قائم رکھنا چاہا تھا، چنانچہ آپ کو اس مقصد میں حیرت انگیز کامیابی نصیب ہوئی آپ کو ہمیشہ یہ کھٹکا لگا رہتا تھا، کہ لوگ کہیں جادۂ اعتدال سے نہ بھٹک جائیں اور اپنے نفسوں کو ناقابل برداشت امور پر آمادہ کریں، جس طرح آپ دنیاوی امور انجام دینے اور شجاعت و بہادری کے جوہر دکھانے میں لاثانی تھے، اسی طرح آپ عبادت گذاری اور اطاعت خداوندی میں بے مثال تھے۔

ہم یہاں پر عبادت کی جس بلند پایہ تصویر کو پیش کرنا چاہتے ہیں، وہ آپ کی دعا ہے، آپ فرماتے ہیں، کہ دعا بھی عبادت میں داخل ہے،

"وقال ربکم ادعونی استجب لکم" اور کہا تمہارے پروردگار نے
تم مجھے پکارو تو میں تمہاری پکار کا جواب دوں گا"
مندرجہ ذیل دعائی انداز پر غور کیجیے، کہ اس کے اندر خشوع و خضوع
اور تسلیم و رضا کے کتنے بے شمار جلوے نظر آتے ہیں:-

ان صلاتی و نسکی
و محیای و مماتی للہ رب العالمین
لا شریک لہ و بذلك امرت
و انا اول المسلمین، اللھم
اھدنی لاحسن الاعمال
و احسن الاخلاق، لا
یھدی لاحسنھا الا انت
و قنی سیئ الاعمال و سیئ
الاخلاق، لا یقی سیئھا
الا انت، اللھم لك
رکعت و بك امنت و
لك اسلمت و علیك
توکلت، انت ربی خشع
سمعی و بصری و لحمی و
دمی و عظمی للہ رب العالمین
اللھم اغفر لی ما قدمت
و ما اخرت و ما اسررت

میری نماز اور قربانی اور میری موت
و حیات جہانوں کے پروردگار ہی
کے لئے ہے، جس کا کوئی ساجھی نہیں
اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے، اور
میں سب میں پہلا مسلمان ہوں، اے
خدا مجھے بہترین کام اور حسن اخلاق کی
توفیق عطا فرما، تو ہی اچھے اور بھلے اعمال
کی ہدایت کر سکتا ہے، مجھے برے
کاموں اور برے اخلاق سے محفوظ
رکھ، تو ہی ان سے بچا سکتا ہے،
اے اللہ میں تیرے ہی لئے جھکا
تجھی پر ایمان لایا، تیرے ہی لئے
اطاعت کی، تجھی پر بھروسہ کیا، تو ہی
میرا پروردگار ہے، میرے کان،
میری آنکھیں، میرا گوشت، میرا
خون اور میری ہڈیاں جہانوں کے پروردگار
کی خشیت سے معمور ہو گئیں، اے اللہ

وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم به منی انت المقدم وانت المؤخر لا اله الا انت

میرے اگلے اور پچھلے، میرے ظاہر وباطن گناہوں کو بخش دے، میری زیادتیوں سے درگزر فرما اور ان خطاؤں کو بھی معاف کر دے، جن سے تو واقف ہے، تو ہی سب سے پہلے اور تو ہی سب کے آخر ہے تیرے سوائے کوئی معبود نہیں۔

الغرض آنحضرت ﷺ اپنی عبادت میں اخلاص کے اعلیٰ منازل اور اطاعت و محبت الٰہی میں محویت کے اونچے مراتب پر فائز ہو گئے تھے، اور بارگاہ الوہیت میں تقرب اور باریابی کا شرف حاصل کر لیا تھا، اس کے باوجود دنیوی امور کی انجام دہی اور سلطنت کے قیام و استحکام میں بھی گران قدر حصّہ لیا اور سوسائٹی سے فتنہ و فساد اور ہیجان و اضطراب کو دور کیا، الحاصل آپ کی شخصیت کے اندر زندگی کی تمام حوائج و ضروریات کا حل اور اہم مقاصد کی تکمیل کے ذرائع اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود تھے۔

بطل اعظم کی اس جلیل القدر صفت کے سامنے تمام لوگوں کو اپنا سر تسلیم خم کر دینا پڑتا ہے، دنیا کے بہادروں اور مشاہیر عالم کی کیا مجال کہ آنحضرت ﷺ کی جانب آنکھ اٹھا کر دیکھیں، اگر وہ یہ جرأت بھی کر بیٹھیں، تو آخر میں حیرانی اور درماندگی کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں، تاریخ عالم میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آئے گا، جو اپنے روحانی انہماک اور شب و روز کی عبادت گزاری کے ساتھ ساتھ دنیاوی

مہمات کو اور اپنی قوم اور خود اپنے نفس کی خدمت کو بہتر صورت اور خوش اسلوبی سے انجام دے سکے اور دشمنوں کا مقابلہ اور اُن کی مدافعت کرتے ہوئے مستحکم و مضبوط سلطنت کی بنیاد ڈالے، جیسا کہ آنحضرت ؐ نے اپنا یہ فریضہ پورا کر کے دنیا کے روبرو اپنے آپ کو ایک بے مثال ہستی ثابت کر دی ۔

عفو و درگزر کی روشن مثال

ہم یہاں بیان کریں گے، کہ آنحضرتؐ کو جن لوگوں نے تکلیفیں اور ایذائیں پہونچائیں، آپ نے اُن سے کس قسم کا سلوک کیا، قرآن مجید نے خود آپ کو درگزر کی تعلیم دی ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: خذ العفو وامر بالمعروف واعرض عن الجاھلین: درگزر اختیار کر بھلائی کا حکم دے اور جاہلوں سے اعراض کر، اِس آیت کی تشریح آپ نے اپنے اِس قول سے فرمائی کہ جو شخص تم سے قطع تعلق کرلے، تم اس کو جوڑ دو، جو تمہیں محروم رکھے تم اُس کو عطا کرو، جو شخص تم پر ظلم کرے تم اس کو درگزر کر دو۔

عفو و درگزر وہ آئینہ ہے، جس میں نفس کی کیفیات جلوہ گر ہوتی ہیں،

اسی میں اولوالعزمی، رفعتِ شان، بے لوث اغراض اور بہادری کی اصلی صفات منعکس ہوتی ہیں:

مشاہیرِ عالم بلکہ تمام انسانوں کی تاریخ میں آنحضور اکرمؐ کی فوز و فلاح، فتح و نصرت، ہمدردی، مودت و عطا اور عفو و درگزر کی مثال ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔

مکہ اور طائف عداوت و شرانگیزی کا مرکز تھے، یہاں کے باشندے لات و عزیٰ کی وفاداری کا دم بھرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے تھے، قریش و ثقیف کا قبیلہ شرک و بت پرستی کی طرف زیادہ راغب تھا۔ ان دو مقامات میں سے بہت سے لوگ آپ کی دشمنی پر کمربستہ ہو گئے تھے چنانچہ ابوجہل، اس کا بیٹا عکرمہ، امیہ بن خلف، اس کا بیٹا صفوان، عاص بن وائل سہمی، ولید بن مغیرہ، ابوسفیان، عمرو بن عمیر کے تینوں بیٹے، ابومسعود ثقفی، مالک بن عوف اور ان کے علاوہ اور بہت سے وہ لوگ تھے، جو آنحضرتؐ کو ایذائیں اور تکلیفیں پہونچانے، آپ کا تمسخر اڑانے آپ کو قتل کرنے اور آپ کی ہجو و مذمت کرنے کے درپے ہوئے، یہی چیزیں ان کے فخر و مباہات اور تفریح طبع کا سامان شمار کی جاتی تھیں۔

آپ کی ایذا رسانی اور تکالیف و مشکلات کے چار ادوار قرار دیئے جا سکتے ہیں، پہلے دور میں آپ کی دل آزاری اور آپ کی شان کی تحقیر شروع ہوتی ہے، جس وقت کہ آپ صفا کی پہاڑی پر لوگوں کو پہلی مرتبہ وعظ سنانے کے لئے کھڑے ہوئے تو ابولہب آپ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے "تو ہلاک ہو جائے (نعوذ باللہ) کیا تو نے اسی وجہ سے ہم کو

جمع کیا ؛

دوسرے دور میں آپ سے ترک موالات کی تحریک شروع کیجاتی ہے، اور آپ کے مقاطعہ کا عہد نامہ کعبہ میں چسپاں کیا جاتا ہے، یہ وہ عہد نامہ تھا جس میں مشرکوں نے بنوہاشم کو، آنحضرت کی حمایت کرنے کے جرم میں، بائیکاٹ کرنے کا عہد کیا تھا، یہ خاندان بنوہاشم کی ایک گھاٹی میں نظربند ہوگیا تھا اور بھوک اور فاقہ کی وجہ سے بے تابی کا عالم طاری ہوگیا تھا یہ دور بہت کٹھن اور دشوار گذار تھا، کیوں کہ میثاق نامہ میں یہ اقرار کیا گیا تھا، کہ لوگ آل محمدؐ سے شادی بیاہ نہ کریں، کسی قسم کا لین دین نہ کریں اور اُن سے کوئی تعلق نہ رکھیں ؛

تیسرے دور میں آپ کے حامی و مددگار ابو طالب اور آپ کی ہم درد و غم گسار بیوی حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو جاتا ہے، اس کے بعد آپ کے سر پر غلاظت پھینکی گئی اور آپ پر روئے زمین تنگ کردی گئی، لیکن آپ عزم و استقلال کا مضبوط پہاڑ اور ایمان و نبوت کے مستقل ستون بنے رہے اور صبر و عزیمت کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

اس نازک دور میں آپ طائف اس غرض سے تشریف لے گئے تاکہ بنو ثقیف سے حمایت کا عہد لیں اور اپنی قوم سے حق تحفظ حاصل کریں لیکن انھوں نے نہایت ذلت آمیز طریقہ اور ناشایستہ حرکات سے آپ کا انکار کیا، عمرو بن عمیر کے تینوں بیٹوں نے جو وہاں کے رئیس مانے جاتے تھے، آپ کے ساتھ تمسخر آمیز سلوک کیا، ان میں سے ایک نے کہا، "کیا خدا کو تمہارے سوا رسول بنا کر بھیجنے کے لئے کوئی دوسرا شخص نہیں دستیاب ہوا؟ دوسرے نے کہا" بخدا میں تم سے ہرگز گفت و شنید

نہیں کروں گا اگر تم اپنے آپ کو رسول سمجھتے ہو۔" آنحضرت ؐ نے ان کو
اس قسم کی گستاخی کرنے اور غیر مہذب کلمات استعمال کرنے سے منع
کیا، اور ان سے اپنی حمایت و تحفظ کا عہد لینا چاہا، کیونکہ آپ کو اندیشہ
تھا، کہ مکہ میں جانے سے پھر کہیں آپ مصائب و آفات میں نہ گھر جائیں
لیکن ان لوگوں نے کسی قسم کا معاہدہ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔
انھوں نے آپ کو سخت سست کلمات استعمال کرنے ہی پر اکتفا نہیں
کیا، بلکہ وہاں کے چند غنڈوں اور آوارہ منش اشخاص کو آمادہ کیا، کہ وہ
آپ کو گالیاں دیں اور آپ کے پیچھے شور و شغب کرتے ہوئے جائیں
پھر انھوں نے آپ کو شہر کے حدود سے باہر نکال دیا، تین میل تک
شریر بچے اور آوارہ لوگ آپ کے پیچھے پیچھے اودھم مچاتے ہوئے دوڑے
آئے اور آپ کو پتھروں سے زخمی کر ڈالا، یہاں تک کہ آپ کے دونوں
پاؤں خون سے تربتر ہو گئے، جب آپ تھک کر بیٹھنا چاہتے تو وہاں
سے اٹھا دیتے، اور چلے جانے پر مجبور کرتے، آخر کار عتبہ بن ربیعہ کے ایک
باغ میں پہونچ کر پناہ گزیں ہوئے، جب آپ نے کچھ دم لیا، تو خدائے تعالیٰ
کی بارگاہ میں یہ التجا کی "اے خدا میں تیرے ہی حضور میں اپنی کمزوری
بے بضاعتی اور لوگوں کی ایذا رسانی کا اظہار کرتا ہوں، اے سب سے
زیادہ مہربان اور رحم کرنے والے خدا! تو ہی کمزوروں کا پروردگار رہے
اور میرا بھی، تو نے مجھے کیسے لوگوں کی طرف بھیجا! اور کیسے دشمنوں کے
لئے مجھے کام سپرد کیا؟ اگر تو مجھ پر مہربان ہے اور غضب ناک نہیں ہے،
تو مجھے کسی کی کچھ پروا نہیں، تیری عافیت میرے لئے وسیع ہے، میں
تیرے اس روئے منور کی پناہ میں آتا ہوں، جس سے تمام عالم کی

ظلمتیں کا فور ہوگئیں، دنیا و آخرت کی اصلاح اسی امر پر ہے، کہ تو مجھے اپنے قہر و غضب سے محفوظ رکھ، عتاب تیرے ہی لئے سزاوار ہے، تو مجھ سے راضی ہو جا، ساری طاقت و قوت کا تو ہی مالک ہے۔

جب آپ مکہ واپس ہوئے، تو یہاں صرف ایک متنفس مطعم بن عدی نے آپ کی حمایت کا ذمہ لیا، بالآخر آپ کی ایذارسانی کا یہ دور آپ کو قتل کرنے کے منصوبہ پر ختم ہوتا ہے، جو آپ کی مشکلات کا انتہائی نازک دور کہلاتا ہے، تجویز یہ تھی، کہ ہر قبیلہ میں سے ایک ایک جوان کا انتخاب کرلیا جائے تاکہ بنو عبد مناف خون کا بدلہ لینے کی ہمت نہ کرسکیں، آپ نے مدینہ کی جانب ہجرت کی، اسی سے چوتھے دور کا آغاز ہوتا ہے، آپ کی ہجرت کا واقعہ مشہور ہے، جس کے یہاں ذکر کرنے کی حاجت نہیں۔

لیکن ہم کو یہ دیکھنا ہے، کہ آنحضرت نے اہل مکہ و طائف اور ان بانیان فتنہ و شر کے ساتھ، جنھوں نے آپ کو ایذائیں پہونچانے اور ظلم و ستم روا رکھنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا تھا، کس قسم کا سلوک و برتاؤ کیا اور کس درجہ عفو و درگزر سے کام لیا۔

آپ فتح و کامرانی حاصل کرکے ایک لشکر جرار کے ساتھ، جو اس سے قبل جزیرۂ عرب میں دیکھنے میں نہیں آیا تھا، مکہ میں پہونچتے ہیں اور حنین و طائف کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں، ہوازن و ثقیف کے چھ ہزار قیدی آپ کے سامنے حاضر کئے جاتے ہیں، باقی سرکش اور باغی سردار، مالک بن عوف یالیل بن عمرو وغیرہ فرار ہو جاتے ہیں، لیکن آپ کی رحمت کا ہلہ اور عفو و درگزر کا یہ عالم ہے کہ آپ اُن سرکش سرداروں کے ساتھ جنھوں نے پہلے فتنہ و فساد برپا کیا تھا، حسن سلوک کے ساتھ پیش آتے ہیں، بخلاف

اِس کے دیگر مشاہیر عالم اور بہادروں کے حالات پڑھیئے، تو معلوم ہوگا، کہ انھوں نے ایسے وقت میں اپنے مخالفین میں سے کتنوں کو تہ تیغ کر دیا۔

ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

فتح سندلشکر کے مکہ میں پہونچنے سے قبل ابوسفیان اپنے تین آدمیوں کے ساتھ آپ کی فوج کا جایزہ لینے کے لئے نکلا، اس نے اندازہ لگا لیا، کہ آنحضرتؐ سے جنگ کرنے کی اس کے اندر طاقت نہیں، اِتنے میں حضرت عباسؓ نے اس کو دیکھ لیا، تو آپ نے آنحضرتؐ کے خچر پر اس کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور خفیہ طور پر لشکرگاہ میں پہونچے، تاکہ ابوسفیان اور مکہ والوں کے لئے امن طلب کریں، مسلمانوں نے جب یہ دیکھا، کہ آنحضرتؐ کا چچا آپ کے خچر پر بیٹھا ہوا ہے، تو دل میں طرح طرح کے منصوبے باندھنے لگے، جب یہ خچر عمر بن خطاب کے سامنے سے گزرا، تو آپ نے کہا یہ کون ہے، آپ کو پتہ چلا کہ ابوسفیان خچر پر بیٹھا ہوا ہے، تو کہا کیا ابوسفیان خدا کا دشمن؟ اللہ کا شکر ہے، کہ اس نے بغیر کسی معاہدہ کے تجھے مغلوب کر دیا آپ اس کو آنحضرت کے پاس لے گئے اور کہا مجھے حکم دیجئے کہ میں اس کی گردن مار دوں، کیوں کہ خدا نے اس پر ہمیں بغیر کسی عہد و پیمان کے قدرت عطا کر دی ہے، لیکن رسول اللہؐ نے حکم دیا کہ ابوسفیان آج کی شب عباسؓ کے گھر میں گزارے گا، جب صبح ہوئی، تو یہ حاضر کیا گیا اور اس وقت اس نے اسلام قبول کر لیا، آپ نے اس سے درگزر فرما دیا، حضرت عباسؓ نے کہا یا رسول اللہ! ابوسفیان عزت پسند شخص ہے اُسے آپ کچھ عطا کیجئے، آپ نے فرمایا بے شک جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے، اس کو امان ہے، جو کوئی اپنا دروازہ بند کر دے

اس کو بھی امان ہے اور جو مسجد میں داخل ہو جائے اس کو بھی۔

ابوسفیان مکہ کی طرف تیزی کے ساتھ واپس ہو رہا ہے، ادھر لشکر سیلاب کی طرح اس میں آگے بڑھ رہا ہے، تمام لوگوں کو پکار پکار کر کہہ رہا تھا، قسم خدا کی ان کے ساتھ تو مقابلہ کرنے کی قوت و طاقت نہیں، جب قوم جمع ہو گئی تو بلند آواز سے کہا اے قریش کی جماعت! یہ محمد ہیں جو تمہارے پاس آرہے ہیں اب تمہارے اندر ان سے مقابلہ کرنے کی قوت نہیں، جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو اس کو امان ہے، لوگوں نے کہا اللہ تجھے ہلاک کرے، ہمیں تیرے گھر کی کیا پروا"

ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ نے، جس نے جنگ اُحد میں حضرت حمزہ کا کلیجہ چبایا تھا، ابوسفیان کی داڑھی پکڑ لی اور لوگوں سے کہا اس کمبخت کو قتل کر دو، ابوسفیان نے کہا لوگو! آگاہ ہو جاؤ تم کو یہ دھوکے میں نہ مبتلا کرے، تمہارے پاس وہ شخص آگیا ہے، جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے جو شخص مسجد میں داخل ہو جائے، اس کو بھی امان ہے، جو شخص اپنا دروازہ بند کرلے اس کو بھی امان ہے"۔

اِس سے بڑھ کر عفو و درگزر کی کوئی نظیر ہو سکتی ہے؟ یہ وہی ابوسفیان ہے، جس نے مسلمانوں اور اسلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کیں اور ظلم و ستم ڈھایا، جس نے جنگ اُحد میں رسول اللہ کو زخمی کیا، جس نے جنگ خندق میں مسلمانوں کو مصیبتوں میں مبتلا کیا، یہی وہ ابوسفیان ہے جو عبدمناف کی اولاد میں نافرمان نکلا، جس نے آنحضرتؐ اور بنو ہاشم کے خلاف مخزوم اور سہم کی مدد کی، ایسے ظالم دشمن کو آپ نے نہ صرف معاف کر دیا، بلکہ اسکی عزت افزائی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، اس سے بڑھ کر انعام و اِکرام کی

اور کیا توقع ہو سکتی ہے کہ آپ نے اس کی زندگی بخش دی، یہی سلوک آپ نے دیگر مغلوب دشمنوں کے ساتھ روا رکھا، کہ بطور انعام و عطایا کے ان کو انکی زندگیاں اور جاہ و حشمت بخش دیا۔

آنحضرتؐ مکہ میں داخل ہو گئے، لیکن ابوجہل کے بیٹے عکرمہ، صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور ان کی جماعت نے آپ سے جنگ کی اور شکست کھا کر فرار ہو گئے، پھر انھوں نے آپ سے امان طلب کی، آپ نے نہ صرف اُن کو امان دی، بلکہ ہوازن کے مالِ غنیمت میں سے ان کو حصہ بھی دیا۔

اِنسانی تاریخ میں اس فراخ حوصلگی، تحمل و بردباری اور عفو و درگزر کی مثال کہیں ڈھونڈنے سے مل سکتی ہے؟ یہی صفوان بن امیہ جنگ سے فرار ہو کر یمن کی طرف جاتا ہے اور اپنے آپ کو دریا میں ہلاک کرنے کا قصد کرتا ہے، عمیر بن وھب رسول اللہؐ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے، یا رسول اللہ صفوان بن امیہ اپنی قوم کا سردار، جو آپ سے جنگ کر کے بھاگ گیا ہے، اپنے آپ کو دریا میں ڈال کر ہلاک کرنا چاہتا ہے، آپ اس کو امان دے دیجئے، آپ نے اس کو امان دے دی، اس نے کہا یا رسول اللہؐ مجھے کوئی نشانی دیجئے، کہ میں آپ کے امان کا اس کو یقین دلاؤں، آپ نے اپنا عمامہ، جس سے مکہ میں داخل ہوئے تھے، اس کو دے دیا، عمیر اس کے پاس آیا، تو وہ دریا میں کودنے کا ارادہ کر رہا تھا، اس نے کہا اے صفوان میں تجھ پر قربان جاؤں اللہ سے ڈر اور اپنے نفس کو ہلاک نہ کر، یہ دیکھ کہ میں رسول اللہؐ کی امان تیرے پاس لایا ہوں، اس نے کہا مجھے اپنی جان کا خوف ہے، اس نے کہا وہ اس سے بھی بہت زیادہ بردبار اور کریم ہیں، غرض کہ صفوان اس کے ساتھ رسول اللہؐ کی خدمت میں

واپس آتا ہے، اور کہتا ہے، کہ عمیر کا گمان ہے، کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے۔ آپ نے فرمایا وہ ٹھیک کہتا ہے، اس نے آپ سے دو ماہ کی مہلت طلب کی تاکہ اس کو اسلام لانے کا موقعہ ملے، چنانچہ آپ نے اس کو دو ماہ کے بجائے چار مہینوں کا اختیار دے دیا؛

آپ صفوان بن امیہ سخت ترین دشمن کو نہ صرف امان دیتے ہیں، بلکہ اس کے اطمینان کی خاطر اپنا عمامہ بھی جس کو پہن کر مکہ کی فتح کی تھی، روانہ فرما دیتے ہیں، پھر وہ اسلام یا شرک اختیار کرنے کے لئے دو ماہ کی مہلت مانگتا ہے، تو آپ دو ماہ کی بجائے چار ماہ کی مدت عطا فرماتے ہیں، مبادا اس میں جبر و اکراہ کا پہلو پایا جائے، کیا تاریخ عالم میں اس قسم کی مثال دستیاب ہو سکتی ہے، کہ قدرت اور تسلط پا لنے کے باوجود درگزر سے کام لیا گیا ہو، جیسا کہ آنحضرتؐ اسلام کے بطل اعظم نے احسان و کرم اور درگزر فرمایا تھا؛

حارث کے بیٹے ابوسفیان نے، جس نے آنحضرتؐ کو سخت ایذا پہونچائی اور آپ کی ہجو کی تھی، فتح مکہ کے قبل آپ کے پاس آنے کی اجازت چاہی تھی، تو آپ نے فرمایا میرے پاس اس کے آنے کی ضرورت نہیں اس نے مجھے تکلیف پہونچائی اور میری توہین کی، ابوسفیان کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا، اس نے کہا آپ مجھے اجازت دیں، ورنہ میں اور میرا بیٹا یہاں سے دور کسی جنگل میں چلے جائیں گے اور بھوکوں پیاسوں مر جائیں گے، آنحضرتؐ پر ان کے ان جملوں سے رقت طاری ہو گئی آپ نے انھیں آنے کی اجازت دے دی اور معاف کر دیا، چنانچہ اس کے بارے میں وہ کہتا ہے:۔

"میری زندگی کی قسم ایک وہ دن تھا کہ میں لات کے لشکر کو محمدؐ کے لشکر پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے اپنا جھنڈا لہراتا تھا مگر آج میں ہدایت پا گیا ہوں۔

جب آپ مکہ میں کعبۃ اللہ کا طواف فرما رہے تھے، تو فضالہ بن عمیر نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، جب وہ آپ کے قریب پہونچا تو آپ نے فرمایا کون؟ فضالہ؟ اس نے کہاں ہاں یا رسول اللہ فضالہ! آپ نے فرمایا تم دل میں کیا سوچ رہے تھے؟ اس نے کہا کچھ بھی نہیں میں خدائے عزوجل کو یاد کر رہا تھا، آنحضرتؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا، خدا سے توبہ کرو، پھر آپ نے اپنا دست مبارک اس کے دھڑکتے ہوئے سینہ پر رکھا، اس کو تسکین حاصل ہوگئی، فضالہ کہتا ہے، قسم اللہ کی جب آپ نے اپنا ہاتھ اٹھالیا تو مجھے روئے زمین پر اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی آپ جیسا محبوب نظر نہ آیا۔

یہاں پر آپ کے عفو و درگزر کو پیش کرنے کے لئے ایک حبشی غلام کی مثال پیش کرنا ہی کافی ہے، جس نے آپ کو رنج وغم میں مبتلا کر دیا، مسلمانوں میں غیظ وغضب کے جذبات پیدا کر دیئے اور آفتوں میں ان کو گھیرے رکھا، یہ وحشی کے نام سے مشہور رہے، اس نے حضرت حمزہ کو قتل کیا تھا، وحشی کہتا ہے، کہ فتح مکہ وطائف کے بعد میں رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ پڑھا آپ نے جب میری طرف دیکھا تو فرمایا کون؟ وحشی؟ میں نے کہا ہاں، یا رسول اللہؐ! آپ نے فرمایا بیٹھ جا اور مجھ سے یہ تو کہہ کہ حمزہ کو تو نے کس لئے قتل کیا، چنانچہ میں نے تمام واقعہ بیان کر دیا، اس کے بعد آپ نے

فرمایا افسوس ہے تجھ پر، تو مجھ سے اپنا چہرہ چھپا لے، تاکہ میں تجھے نہ دیکھ سکوں، وحشی کہتا ہے کہ میں آپ کے انتقال تک بھی آنحضرتؐ کے سامنے چہرہ پر نقاب ڈالے رہتا تھا، تاکہ آپ کی نگاہیں میرے چہرہ پر نہ پڑیں۔

ضبط نفس اور عفو و درگزر کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہو سکتی ہے ایک ایسے شخص کو جس کا چہرہ تک آپ نے دیکھنا گوارا نہ فرمایا، جو آپ کے چچا کا قاتل اور ایسا غلام ہے، جس کا خاندان و نسب غیر معروف ہے آپ معاف کر دیتے ہیں، لیکن مسلمان اس سے ایسا ہی انتقام لینے کے لئے بے تاب ہو جاتے ہیں، جیسا کہ اس نے حضرت حمزہ کے قتل کے سلسلہ میں لیا تھا؛

فتح مکہ کے بعد جب لوگوں کو سکون و اطمینان نصیب ہوا تو آنحضرتؐ نے کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہوئے فرمایا، خدا کے سوائے کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ کی نصرت و امداد کی اور مشرکین کو شکست فاش عطا کی، لوگو! سنو تمام عہدے، خون، مال سوائے کعبہ کی مجاورت اور حاجیوں کی سقایت کے یہ تمام چیزیں میرے ان دونوں پاؤں کے نیچے ہیں، اے قریش کی جماعت اللہ نے تم سے جاہلیت کا تکبر و نخوت اور آباء و اجداد کے ساتھ فخر و مباہات کو دور کر دیا ہے، لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے ہیں، اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت کی۔

یا ایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثیٰ و جعلنا کم شعوبا	اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، تمہارے لئے ہم نے خاندان

وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم	اور قبیلے بنائے تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے بزرگ وہ ہے، جو زیادہ پرہیزگار رہے۔

پھر آپ نے فرمایا اے قریش کی جماعت! تم میرے بارے میں کیا خیال رکھتے ہو کہ میں تم سے کس قسم کا سلوک کروں گا؟ سبھوں نے کہا آپ ہمارے ساتھ بھلائی اور احسان کریں گے، آپ شریف بھائی ہیں اور شریف بھائی کے صاحبزادہ ہیں، آپ نے فرمایا جاؤ تم سب آزاد ہو، پھر آنحضرتؐ بیٹھ گئے، حضرت علیؓ کعبۃ اللہ کی کنجی اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے اٹھے اور کہا یارسول اللہؐ! سقایت کے ساتھ ساتھ حفاظت اور نگہبانی کا منصب بھی ہمیں عطا فرمائیے (اس وقت تک دربانی بنو ہاشم میں نہیں آئی تھی) آپ نے فرمایا عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟ ان کو طلب کیا گیا آپ نے ان سے فرمایا عثمان! یہ کنجی تمہیں دی جاتی ہے، آج کا دن احسان اور وفاداری کا دن ہے"!

آپ کے سلوک اور حسن معاملہ کا مشاہدہ کیجئے، کہ ثقیف کا وفد آپ کے سامنے مدینہ میں آتا ہے، جس نے اس سے پہلے لوگوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے تھے، اس وفد میں یالیل بن عمرو عمیر کا بیٹا بھی ہے جس نے آپ کو طائف میں سخت تکلیف اور اذیت پہونچائی تھی، اور آپ کی حمایت سے صاف انکار کر دیا تھا، لیکن آپ نے اُن کے ساتھ کیا کیا؟ مالک بن عوف کو تو سب سے پہلے معاف کر دیا، نہ صرف اس کو اس کا مال اور اس کی اولاد واپس کر دی، بلکہ سو اونٹنیاں بھی انعام میں دیں۔

اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا، تو میں یہاں ہوازن کا وہ واقعہ ذکر کرتا،
جس میں آپ نے اُن کے قیدیوں کو رہا کر دیا تھا، ان کو اپنے اصحاب
اور رشتہ داروں سے قرض لے کر اپنے ان دشمنوں کے حوالے کر دیا
جو جنگ حنین میں اِسلام کا خاتمہ کرنے پر تلے ہوئے تھے؛

رحمت و رافت کی رُوحِ رواں

تاریخ عرب بلکہ تاریخ عالم میں بہت سی الوالعزم ہستیاں پائی جاتی ہیں، جن کے کارنامے اور تذکرے ہمیشہ انسانوں کے کانوں میں گونجتے رہیں گے، ان کے اندر ایسی صفات تھیں، جن کے ذریعہ فلاح وکامیابی نے ان کے قدم چومے، یہی لوگ بہادر کہلاتے ہیں۔

ہم نے اسلام کے بطلِ اعظم کے بعض کارناموں اور صفات کو بیان کیا ہے، جن میں ہم نے ظاہر کر دیا، کہ کس طرح آپ ان تمام صفات کے حامل تھے، اب ہم آپ کی اس رحمت و رافت کو قلم بند کرتے ہیں، جس کے ادنیٰ درجہ کو بھی کوئی شخص نہ پا سکا، آپ تنگ دستی و فراخ دستی، قوت و ضعف، فقر و غنا غرض کہ ہر حال میں رحمت و رافت کا مجسمہ اور شفقت و محبت

کی جیتی جاگتی تصویر تھے، احسان اور بھلائی ہمیشہ آپ کی کنیز تھی اور رحمت آپ کے سامنے دست بستہ ہر وقت کھڑی رہتی تھی، آپ فرماتے ہیں۔

"احسان اور بھلائی جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، خدا تم پر رحم فرمائے گا، جو شخص لوگوں پر مہربان نہیں، خدا بھی اپنی رحمت سے اس کو نہیں نوازتا، رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے، بدکار کے دل سے رحمت و شفقت چھین لی جاتی ہے، قرآن مجید میں آپ کی صفت اس طرح بیان کی گئی ہے:۔

لقد جاءکم رسولٌ من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریصٌ علیکم و بالمومنین رَؤُفٌ رَحِیمٌ۔

تمہیں میں سے تمہارے پاس ایک رسول آیا ہے، جس پر تمہاری تکلیف بہت شاق ہے، وہ تمہارا دل دادہ ہے اور مومنوں پر مہربان اور شفیق ہے۔

آپ کی رحمت پوری دنیا کے لئے عام تھی، آپ مسلمانوں اور مشرکوں پر احسان اور بھلائی کیا کرتے تھے، فقیروں، مسکینوں اور کمزوروں کے ساتھ آپ کو بے حد محبت تھی، فقراء کے ساتھ تو آپ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے خدا سے دعا مانگی تھی، کہ زندگی اور موت کے بعد انھیں میں آپ کو باقی رکھے، حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے تھے "اے اللہ مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں موت دے اور قیامت کے دن مسکینوں کی جماعت کے ساتھ اٹھا" حضرت عائشہ نے دریافت کیا ایسا کس لئے ہے، یا رسول اللہؐ!؟ آپ نے فرمایا کیوں کہ یہ لوگ مالداروں سے چالیس سال

پہلے جنت میں داخل ہو جائیں گے، اے عائشہؓ مسکین کو خالی ہاتھ مت لوٹانا، کھجور کا ایک ٹکڑا ہی سہی انہیں دے دینا، اے عائشہؓ مسکینوں سے محبت رکھ، اور ان کی قربت میں رہ، خدائے تعالیٰ بھی قیامت کے دن تجھے اپنے قریب کرے گا۔"

الحاصل آپ کی زندگی فقیروں کے ساتھ بسر ہوتی تھی، جو کچھ آپ کے گھر میں موجود ہوتا، آپ اُنھیں خیرات کر دیتے تھے، آپ اُن پر اس قدر مہربان تھے، کہ ایک آدمی آپ کے سامنے سے گزرا، آپ نے اپنے پاس کے ایک شخص سے دریافت فرمایا اس کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا، یہ شریف آدمیوں میں سے ہے، یہ اس قابل ہے کہ اگر کسی سے منگنی کرے، تو بیاہ دیا جائے اور اگر کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول کر لی جائے، پھر دوسرا شخص گزرا آپ نے فرمایا اس کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا کہ یہ فقیر آدمی ہے، یہ اس لایق ہے، کہ اگر وہ منگنی کرنا چاہے، تو رد کر دیا جائے، اگر سفارش کرے، تو نامنظور کر دی جائے، اور اگر کوئی بات کہے تو اس کو نہ سنا جائے، آنحضرتؐ نے فرمایا "یہ شخص روئے زمین کے تمام آدمیوں میں بہتر ہے۔"

الغرض آنحضور اکرمؐ اپنی رحمت و شفقت اور تائید ایزدی کے ذریعہ، جو آپ کی فطرت میں ودیعت کی گئی تھی، فقراء و مساکین کی شان و عظمت اور ان کی توقیر و منزلت کو دوبالا کیا کرتے تھے، کمزوروں کی دستگیری اور یتیموں اور بیواؤں کی غم گساری اور ہمدردی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے، نیز آپ نے ان تمام کمزور طبقات پر وہ

اِحسان کیا، کہ چند ہی مدت میں سوسائٹی کے نظام میں حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا، اِنہی بے چارے فقیروں اور مسکینوں میں وہ روح پھونکی، کہ آخرکار انھوں نے مشرق و مغرب کو اپنا تابع فرمان بنا لیا۔ آنحضرتؐ فرمایا کرتے تھے، "تم اپنے مسکین اور کمزور آدمیوں کو میرے روبرو پیش کرو، کیوں کہ انہی لوگوں سے تم فتح و غلبہ حاصل کریں گے" آپ ان کی جماعت میں بیٹھنے کو بہت مرغوب سمجھتے تھے، ایک مرتبہ آپ اپنی قوم کے بعض مال دار اشخاص سے گفتگو میں ایسے محو ہوگئے، کہ ایک اندھے شخص کی طرف توجہ نہ فرما سکے اس وقت بطور عتاب و تنبیہ کے آپ پر وحی نازل ہوتی ہے۔

عَبَسَ وَ تولی ان جاءَهُ الاعمیٰ وما یدریك لعلهٗ یزکی او یذکر فتنفعه الذکریٰ اما مَنِ استغنیٰ فانت لهٗ تصدیٰ۔

یہ پیغمبر چیں بجبیں ہوگئے اور متوجہ نہ ہوئے، اِس بات سے کہ ان کے پاس اندھا آیا اور آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور جاتا، یا نصیحت قبول کرتا۔ پس اس کو نصیحت کرنا فائدہ پہونچاتا، تو جو شخص بے پروائی کرتا ہے، آپ اس کی تو فکر میں پڑے رہتے ہیں؛

قریش یہ دیکھ کر، کہ آپ مسکینوں کی صحبت میں رہتے اور ان کے ساتھ کعبۃ اللہ جاتے ہیں، آپ کا مذاق اُڑاتے اور کہتے:۔ "اھؤلاء من اللہ علیھم من بیننا" کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہمارے درمیان اِحسان کیا ہے؛

مگر آنحضرتؐ مساکین کے ساتھ بہت ہی مہربان اور شفیق تھے؛

عبداللہ بن عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم مسجد میں تشریف لائے اور فقرا کے ساتھ بیٹھے اور ان کو جنت کی خوشخبری سنائی، تو اُن کے چہروں پر مسرت اور خوشخبری کے آثار نمایاں ہونے لگے، میں چونکہ ان کے گروہ سے نہیں تھا اس لئے غم زدہ سا ہو گیا۔"

آپ نے سعد بن ابی وقاص کو مسکینوں پر اپنی بزرگی اور بڑائی جتاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا " اس کو جو کچھ بھی بھلائی اور فتح و نصرت نصیب ہوگی وہ انہی مسکینوں اور فقیروں کی صحبت کا فیض ہوگا" چنانچہ آپ کی یہ پیش گوئی اس وقت پوری ہوئی، جب کہ حضرت سعدؓ نے جنگ قادسیہ کے موقعہ پر مسکینوں کی قیادت فرمائی اور رستم کو شکست فاش دیکر کسریٰ کی سلطنت کو پامال کر دیا؛

مسکینوں کی وفات کے بعد بھی آپ کی رحمت اور آپ کا احسان اُن پر برابر جاری رہتا، صحیح بخاری میں وارد ہے، کہ آنحضرتؐ نے ایک دن ایک حبشی کو یاد فرمایا اور پوچھا کہ وہ کہاں ہے، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ تو فوت ہو چکا، آپ نے فرمایا تم نے کیوں نہیں اس سے پہلے اس کی اطلاع دی، لوگوں نے کہا وہ ایسا ایسا تھا، گویا اُنھوں نے اس کی تحقیر و مذمت کی، آپ نے فرمایا اس کی قبر کہاں ہے مجھے نشان دہی کرو، چنانچہ آپ اُس کی قبر پر تشریف لائے اور نماز پڑھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلاموں کی آزادی اور ان کی شان و منزلت کو بلند کرنے میں بہت ہی جد و جہد فرماتے تھے، ان کی راہ میں مال، دولت، حشمت غرض کہ ساری چیزیں قربان کر دیتے تھے، آپ ان پر بہت مہربان اور شفیق تھے، سب سے مشہور قصّہ آپ کے غلام

زید بن حارثہ کا ہے، آپ نے ان کو اپنے مالک (خود آنحضورؐ) اور ان کے والد کے درمیان اختیار دے دیا، کہ جس کو چاہیں پسند کریں، لیکن انھوں نے آپ کو ایسے زمانے میں اپنے والد پر ترجیح دی، جب کہ آپ کے پاس نہ دولت و قوت تھی اور نہ مدافعت کا سامان، اس وقت آپ قریش کی مصیبتوں اور اذیتوں کا شکار بنے ہوئے تھے، ایک وہ دور بھی آیا جس میں آنحضرتؐ نے زید بن حارثہ کو غزوۂ روم کو لشکر روانہ کرتے وقت مہاجرین اور انصار کا قائد اعظم بنایا، جب موتہ کی لڑائی میں یہ شہید ہو جاتے ہیں، اس وقت آپ کی عمر صرف بیس سال کی تھی، تو قریش کے بڑے بڑے لوگ، صحابہ اور آنحضرتؐ آپ کے جنازے کے ساتھ تھے؛

اوپر کے واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ آپ غلاموں کی شان و عظمت کو دوبالا کرنے کے لئے ان کے ساتھ کس قسم کا حسن سلوک کرتے تھے، آپ فرمایا کرتے تھے۔ "غلاموں کے ساتھ بدسلوکی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا" یہ بھی آپ کا ارشاد ہے، اچھی لونڈی باعث یمن و برکت اور بری لونڈی موجب شر ہے"

خدمت گزاروں اور مزدوروں کے ساتھ آپ نہایت اچھا برتاؤ کرتے تھے، ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے، کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "جب کوئی تمہارا خادم کھانا لائے، اگر وہ تمہارے ساتھ نہ بیٹھ سکے، تو اس کو ایک دو لقمے دے دو" معاویہ بن سوید کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہمارے پاس صرف ایک خادم تھا، ہم میں سے کسی نے اس کے ایک طمانچہ لگا دیا، آنحضرتؐ کو جب اس کی خبر پہونچی، تو آپ نے فرمایا" اس کو آزاد کر دو" آپ سے کہا گیا، کہ ان کے پاس سوائے

اس کے کوئی اور خادم نہیں ہے، تو آپ نے فرمایا، اس سے خدمت لیتے رہو، جب کوئی دوسرا مہیا ہو جائے، تو اس کو آزاد کر دو" ابو مسعود رضؓ روایت کرتے ہیں، کہ میں نے اپنے ایک غلام کو کوڑے سے مارا، میں نے اپنے پیچھے آواز سنی مڑ کر دیکھا تو آنحضرتؐ یہ فرما رہے تھے، کہ" اے ابو مسعو تجھے معلوم ہونا چاہیئے، کہ خدائے تعالیٰ اس غلام سے زیادہ تجھ پر قدرت رکھتا ہے"

آپ کی رحمت و شفقت کا یہ عالم تھا، کہ آپ کسی سے یہ سننا بھی گوارا نہ فرماتے تھے، کہ وہ اپنے غلام کو" اے میرے غلام یا میری لونڈی کہہ کر پکارے، آپ مسلمانوں کو اس قسم کے القاب سے پکارنے کو باز رکھتے تھے آپ کی یہ تعلیم و تربیت، غلاموں کو آزاد کرنے، ان کے اور آقا کے درمیان مساوات قائم کرنے، نخوت و غرور اور عصبیت جاہلیت کے فاسد و ردی تخیلات کو دور کر کے ان کے اندر اخوت کی روح پھونکنے کے لئے بے حد مفید اور کارآمد ثابت ہوئی۔

معرور بن سوید رضؓ کہتے ہیں، کہ میں نے ابو ذر کے جسم پر ایک چادر دیکھی اسی قسم کی چادر ان کے غلام کے جسم پر بھی تھی، میں نے اس کا سبب دریافت کیا، تو انھوں نے کہا کہ آنحضرتؐ کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا ہے، کہ یہ تمہارے بھائی ہیں، خدا نے اُن کو تمہارے حوالے کر دیا ہے، جس کسی کے ماتحت اس کا بھائی ہو، تو اس کو چاہیئے، کہ یہ جو کچھ کھائے اور اوڑھے اس کو بھی وہی کھلائے اور پہنائے، تم ان کی طاقت اور برداشت سے زیادہ کوئی تکلیف نہ دو، اگر کوئی مشکل کام ان کے سپرد کرو، تو تم بھی اس میں ان کی اعانت کرو اور ان کا ہاتھ بٹاؤ"

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی، آپ نے مجھے کبھی اُف تک نہیں کہا، آنحضرت مسکینوں، خدمت گذاروں اور غلاموں سے میل جول رکھتے تھے، ان سے خندہ پیشانی سے گفتگو فرماتے، ان کی دعوت قبول کرتے، اُن کے بیماروں کی عیادت پُرسی کے لئے تشریف لے جاتے، ان کے جنازوں میں شریک ہوتے اور ان کے موتیٰ پر نماز پڑھتے تھے۔

شریعت محمدیہ نے بیت المال میں سے غلاموں کی آزادی کا بھی حصہ مقرر فرمایا ہے، آنحضرت غلام کو آزاد کرنے کے بعد اس کو کچھ دے دیا کرتے تھے، تاکہ وہ کوئی معاملہ کرے یا کسب معاش کا ذریعہ ڈھونڈھے۔

آپ کی رحمت وشفقت اور احسان اور بھلائی نہ صرف انسانوں تک ہی محدود تھی، بلکہ آپ جانوروں پر بھی نرمی اور رحم فرماتے تھے۔ عربوں میں جانوروں اور انسانوں سے متعلق بے شمار رذیل عادات اور انسانیت سوز حرکات پائی جاتی تھیں، آپ نے ان تمام کا سدباب کیا اور نفرت وبے رحمی کے جذبات کو ان سے دور کر دیا وہ لوگ زندہ حیوانات کے بدن سے گوشت کے ٹکڑے کاٹ کر بھون لیا کرتے اور ان کو کھاتے تھے، چنانچہ آپ نے اس بے رحمانہ فعل کو حرام قرار دیا۔ آج کل بھی صحراء کبریٰ میں ایسے گروہ پائے جاتے ہیں، جن میں اس دردانگیز فعل کی خو بو پائی جاتی ہے، جب وہ کسی جنگ کے لئے نکلتے ہیں اور ان کو دور دراز ملک کا سفر کرنا پڑتا ہے، تو اونٹ کے پچھنے لگا کر اس کا خون چوستے پھر اس کا گوشت پکا کر کھاتے ہیں، یا اس کی کوہان چیر کر اس کی چربی نکال کر کھا لیتے ہیں اور کوہان کو سی دیتے ہیں؛

چنانچہ آپ نے اِس ایذا رساں فعل سے منع فرمایا، عرب اپنے جانوروں پر تیر آزمائی کرتے اور گھوڑوں کی دُم میں کاٹ دیتے تھے آپ نے ان تمام حرکات سے روکا، ایک مرتبہ آپ نے ایک اونٹنی کو بھوکی پیاسی بندھی ہوئی پایا تو آپ نے اس کی رسی کھول دی اور اس کو چھوڑ دیا اور لوگوں کو نصیحت کی کہ جانوروں کے معاملہ میں حذر کرتے رہیں۔

آنحضرتؐ نے اِس معاملہ میں بے شمار مثالیں بیان فرمائی ہیں آپ نے فرمایا کہ ایک آدمی سفر کر رہا تھا، کہ اثناءِ راہ میں اس کو سخت پیاس محسوس ہوئی، اس نے ایک کنواں دیکھا، اس میں اُتر کر پانی پیا، باہر نکلنے کے بعد اس نے دیکھا، کہ ایک کتا پیاس کی شدّت سے بہت بے تاب ہے، زبان باہر نکالے ہوئے مٹی چاٹ رہا ہے، اس شخص نے اپنے دل میں کہا کہ مجھے جیسی پیاس لگی تھی، ویسی ہی اِس کتے کو بھی لگی ہے وہ کنویں میں اُترا اور موزہ میں پانی بھر کر کتے کے منہ میں ڈالا، کتا سیراب ہوگیا، اس شخص نے خدا کا شکر ادا کیا، اس کے گناہ معاف ہوگئے۔

لوگوں نے سوال کیا یا رسول اللہؐ! کیا جانوروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے میں بھی ہمیں ثواب ملے گا، آپ نے فرمایا "ہر زندہ شئے میں ثواب ہے" آپ نے فرمایا ایک عورت بلی کو باندھے رکھنے کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوگئی۔ نہ اس نے اس کو کچھ کھلایا اور نہ ہی اُسے کھلا چھوڑا تاکہ یہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھا کر اپنی بھوک رفع کرتی۔

یہ تمام تمثیلات آنحضرتؐ نے ان لوگوں کے روبرو پیش کیں، جن کو گمان تھا، کہ حیوانوں کے ساتھ سلوک کرنے میں ثواب نہیں ملتا مسلمانوں کے نفوس میں اِن صفات کی وجہ سے نرمی اور رحم دلی کے

جذبات پیدا ہو گئے، اور مشرق و مغرب میں جو لوگ ان کے اثرات و تعلیمات سے فیض یاب ہوئے، ان میں ایک نمایاں اثر اور حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہو گئی، جاہلیت میں یہ بھی طریقہ رائج تھا، کہ اپنے جانوروں کی پیٹھ کو منبر بنا لیا کرتے تھے، آپ نے ان کو ایسا کرنے سے منع کیا، اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جانور اس لئے مسخر کئے ہیں، کہ تم ایک شہر سے دوسرے شہر کو پہونچ سکو، اس نے تمہاری حاجتوں کو بر لانے کے لئے زمین بنائی ہے، تم اس میں اپنی ضرورتوں کی تکمیل کرو۔

آپ کی رحمت و شفقت کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ چھوٹے پرندوں تک کو کوئی گزند پہونچانا گوارہ نہ فرماتے تھے، عبدالرحمٰن بن عبداللہ کہتے ہیں، کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ ایک سفر میں تھے، ہم نے ایک سرخ پرندہ کو دیکھا، جس کے ساتھ اس کے دو چھوٹے بچے بھی تھے، ہم نے ان کو پکڑ لیا۔ ان کی ماں پھڑپھڑاتے ہوئے آئی، آنحضرتؐ جب تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کس نے اس کی ماں کو صدمہ پہونچایا ہے؟ اس کے بچے اس کو واپس کر دو۔

آنحضرتؐ نے حضرت عائشہؓ کو دیکھا کہ آپ اونٹ پر بیٹھی ہوئی اس پر سختی کا برتاؤ کر رہی تھیں آپ نے فرمایا" جو نرمی نہیں کرے گا وہ اپنے اوپر اپنی بھلائی حرام کرے گا۔"

اِنسانوں اور جانوروں کے ساتھ آپ کی رحمت و اُنس کا یہ تقاضا تھا، کہ جب آپ کسی بچے کو دیکھتے یا اُس سے ملتے تو محبت اور خوشی کے آثار آپ کے چہرے سے نمایاں ہونے لگتے تھے کبھی کبھی آپ اپنے صحابؓ کے بچوں کو اٹھا کر کھلایا کرتے تھے، جب لڑکوں پر سے گزرتے تو ان پر

سلام کرتے تھے، جابر بن سمرہ حدیث بیان کرتے ہیں، کہ نبی اکرمؐ نے لڑکوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا، تو آپ بھی ان کے ساتھ دوڑنے لگے، جب کبھی کوئی لڑکا آپ کو راستہ میں مل جاتا تو آپ اُس کو خوش کرنے کے لئے اپنی اُونٹنی پر بٹھا لیتے تھے، والدین سے بڑھ کر آپ کو بچے پیارے تھے۔

حضرت اُنسؓ کہتے ہیں، کہ یہ نہیں پتہ چل سکا کہ آنحضرتؐ سے بڑھ کر اپنے اہل وعیال کو چاہنے والا کوئی ہوا ہو، اُسامہ بن زید کہتے ہیں، کہ جب میں بچہ تھا، تو رسول اللہؐ مجھے اُٹھا لیتے اور اپنے ایک زانوئے مبارک پر بٹھاتے اور حسنؓ کو اپنے دوسرے زانو پر، پھر ہم دونوں کو بھینچ کر فرماتے "اے اللہ ان دونوں پر رحم فرما کیوں کہ میں ان پر رحم کھاتا ہوں اور اُن سے پیار کرتا ہوں" بیان کیا جاتا ہے کہ بعض اعراب نے آنحضرتؐ کو خود اپنے اور اپنے صحابہ کے بچوں کو محبت اور پیار کرتے ہوئے دیکھا، تو بہت تعجب کیا، ایک مرتبہ اقرع بن حابس نے آپ کو دیکھا، کہ آپ حسینؓ کو بوسہ دے رہے ہیں، تو کہا یا رسول اللہؐ! میرے دس بچے ہیں آج تک میں نے کسی کو پیار نہیں کیا، اس قسم کے سوالات بعض لوگ آپ کی غیر معمولی شفقت ومحبت پر کرتے رہتے تھے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بے رحمی، سنگ دلی اور قساوت قلب سے منع فرماتے تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، کہ رسول اللہؐ کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا کیا آپ لوگ بچوں کو پیار کرتے ہیں؟ مگر ہم تو اُن سے کبھی پیار نہیں کرتے، آپ نے فرمایا "جب خدا نے تیرے دل سے شفقت ورحمت چھین لی ہے، تو میں تھوڑے ہی اس کا ذمہ دار ہو سکتا ہوں"

آپ کے جذبۂ رحمت کا یہ اثر تھا کہ آپ پر جس طرح مسرت وخوشی کے آثار وجذبات ظاہر ہوتے، اِس طرح آپ کا دل حزن وملال کی کیفیات وتاثرات

میں ڈوب جاتا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے، سنگ دل وستمگار لوگ آپ کی رقت قلب اور فراوانی شفقت پر تعجب کرنے لگتے، آپ ان کو ظاہر کرتے، کہ یہ بھی رحمت کی ایک قسم ہے، جس میں کوئی عیب ونقص نہیں۔

آپ کی ایک صاحبزادی کی وفات ہوگئی، تو آپ کا دل پگھل رہا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو رہے تھے، سعد بن عبادہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "یہ رحمت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل میں پیدا کی ہے، خدا اپنے رحم دل اور شفیق بندوں پر رحم کرتا ہے۔"

سعدؓ جب بیمار پڑ گئے، تو آنحضرتؐ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، دیکھا کہ یہ اپنی بیوی کی آغوش میں پڑے ہوئے ہیں، آپ نے فرمایا کیا وفات پاگیا؟ لوگوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ! آپ روئے اور فرمایا سنو! اللہ تعالیٰ آنکھوں سے آنسو جاری ہونے اور دلفگار وغم زدہ ہونے کی وجہ سے عذاب نہیں دیتا، بلکہ ــــــ اپنی زبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ــــــ اس کی وجہ سے عذاب دیتا ہے۔"

یہ رحمت نہ صرف چھوٹوں بڑوں اور مومنوں کے ساتھ مختص تھی، بلکہ دیگر ادیان وملل کے دشمنوں، مشرکوں اور مخالفوں پر بھی شامل تھی، کسی جنگ میں ایک بچہ قتل کر دیا گیا، آپ کو سن کر بہت ہی صدمہ ہوا، بعضوں نے آپ سے کہا یا رسول اللہ! آپ کیوں اس قدر غم زدہ ہیں، وہ تو مشرکین کا بچہ تھا، آپ برافروختہ ہوگئے اور فرمایا تم کیا کہتے ہو کیا تم ان سے بہتر ہوگئے وہ تو اپنی فطرت پر ہیں، تم بچوں کو قتل کرنے سے پرہیز کرو، تمہیں بچوں کو قتل نہ کرنا چاہیئے۔"

امام بخاریؒ نے جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے، کہ ہمارے

سامنے سے ایک جنازہ گزرا، آنحضرت اٹھ کھڑے ہوئے، آپ کے ساتھ ہم بھی اُٹھ گئے، ہم نے کہا یا رسول اللہ! وہ تو یہودی کا جنازہ ہے، آپ نے فرمایا کیا وہ انسان نہ تھا؟ جب کوئی جنازہ تمہارے روبرو سے گزرے، تو تم اس کے لئے اُٹھ جاؤ، جب نجاشی نے وفات پائی، تو آپ نے اپنے اصحاب کو اس کی خبر مرگ سنائی، پھر آگے بڑھے، لوگوں نے آپ کے پیچھے صف باندھی آپ نے نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی۔

آپ کی یہ وہ رحمت شاملہ ہے، جو کسی وطن، یا دین، یا ملت و گروہ کے ساتھ مخصوص نہ تھی، آپ کی نظر میں انسان وحیوان کے ساتھ سلوک اور حسن معاملہ کرنے میں کوئی فرق نہیں تھا۔

بعض لوگوں نے آپ سے کہا، کہ اپنے دشمنوں پر ملامت اور لعنت بھیجیں، آپ نے فرمایا میں لعنت بھیجنے کے لئے نہیں آیا، بلکہ سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ جب عبداللہ بن ابی بن سلول کی وفات ہوئی، جو مدینہ میں منافقوں کا سردار تھا، جس نے جنگ اُحد میں اپنے ساتھیوں کو واپس لوٹا لیا، اور آنحضرت کو ایذائیں پہونچانے اور آپ کو رسوا کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی، تو اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے نے آنحضرت سے آپ کی قمیص اس کی تجہیز و تکفین کے لئے طلب کی، آپ نے منافقین کے سرغنہ کے لئے اپنی قمیص مبارک اتار کر دے دی، کیا اس قسم کا سلوک و احسان آج تک کسی نے اپنے دشمن جانی کے لئے کیا ہے؟ یہی نہیں بلکہ آنحضرت اس کی قبر پر نماز پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے، عمر بن خطاب یکایک آپ کے روبرو آگئے اور کہا کیا آپ ابن اُبَیّ پر نماز پڑھنا چاہتے ہیں، حالانکہ اس نے ایک دن آپ کی شان میں ایسا اور ایسا کہا تھا، یہ الفاظ

حضرت عمرؓ بار بار دہرا رہے تھے، آنحضرتؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا اے عمرؓ خاموش رہ! حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اپنے جملہ کو آپ کے روبرو بار بار لوٹانا شروع کیا، تو آپ نے فرمایا مجھے اس امر میں اختیار دیا دیا گیا ہے، لہذا میں نے اس کو اختیار کیا، اگر مجھے معلوم ہو جاتا، کہ ستر مرتبہ سے زیادہ اس کی مغفرت کی دعا کروں، تو اس سے بھی زیادہ مغفرت کی دعا کرتا، پھر آپ وہاں سے واپس لوٹ گئے۔

استغفار اور عدم استغفار کے بارے میں منافقین کی شان میں یہ آیت نازل ہوتی ہے:

استغفر لھم او لا تستغفر لھم، ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم	خواہ تو ان کی مغفرت طلب کرے یا نہ طلب کرے، اگر ستر بار بھی ان کے لئے مغفرت چاہے تب بھی ہرگز اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بخشے گا۔

جب آپ کو اس معاملہ میں اختیار دیا گیا، تو آپ کی رحم پرور طبیعت میں اپنے دشمنوں کے استغفار کے لئے ایک ولولہ سا پیدا ہوا، یہاں تک آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ "اگر مجھے یہ معلوم ہوتا، کہ ان کی مغفرت کے لئے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں، تب بھی اس سے زیادہ کے لئے میں تیار ہو جاتا۔"

یہ وہ رحم دلی اور شفقت کا جذبہ ہے، جو اپنے دشمنوں دوستوں اور تمام لوگوں کے لئے وسیع و عام تھا۔

آپ نے ایک مرتبہ ایک اعرابی کو، جو آپ کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا یہ کہتے ہوئے سنا کہ "اے اللہ مجھ پر اور محمدؐ پر رحم فرما اور ہمارے سوا کسی پر رحم نہ کر" جب آپ سلام پھیر کر فارغ ہوئے، تو فرمایا "تو نے رحمت کے وسیع دائرہ کو تنگ کر دیا"

یہ اور اسی قسم کی مذکورۂ بالا مثالوں سے، جن کو آنحضرتؐ کی رحمت و شفقت کے بارے میں ہم نے پیش کیا ہے، واضح ہوتا ہے، کہ آپ کی رحمت و شفقت، رقت و رافت نہ صرف اپنے گھر اور خاندان والوں کے ساتھ مخصوص تھی، بلکہ تمام دنیا کو گھیرے ہوئے تھی؛ یہی وہ وسیع و غیر محدود رحمت ہے، جس کی وجہ سے آپ اپنے دشمنوں کے حق میں بھی دعائے خیر کرتے ہیں، حالانکہ جنگ اُحد میں آپ سخت زخمی کئے گئے تھے، صحابہ نے آپ کو اپنے دشمنوں پر بد دعا کرنے کے لئے زور دیا تھا، یہ وہ عالم تھا، کہ آپ کے چچا حمزہ کے ساتھ اِنسانیت سوز حرکات روا رکھی گئی تھیں، ان کے ہاتھ پیر اور کان کاٹ دیئے گئے تھے، آپ کے انصار میں سے بعض مقتول اور بعض زخمی ہو گئے تھے؛ یہی وہ رحمت کاملہ ہے، جس نے ثقیف والوں کے لئے طائف میں دعا کرنے پر آمادہ کیا، حالانکہ انھوں نے آپ کی حمایت سے اِنکار کر دیا تھا، اور آپ کو سخت ایذائیں پہونچائی تھیں، اسی شفقت و محبت کا تقاضا تھا، کہ جس نے قریش کی تجارت اور آمد و رفت کے لئے یمامہ و شام کے راستے بے خوف و خطر کھول دیئے تھے جب کہ انھوں نے آپ سے صلہ رحمی کی بھیک مانگی اور اپنے اہل و عیال کے فقر و فاقہ کی بے تابیوں کی شکایت کی تھی، اور یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے آپ کو اپنے گھر سے نکال دیا تھا اور مدینہ میں آپ کا محاصرہ کر لیا تھا؛

آنحضرت کی رحمت و شفقت اور آپ کے احسان و کرم سے دوست و دشمن، قوی و کمزور، آزاد و غلام اور جانور تک فیض یاب ہوئے، آپ کا دل اسی رحمت کے جذبہ سے معمور تھا، اس کے نتیجہ میں آپ کے چہرہ پر مسرت کی لہریں دوڑنے لگتی تھیں، آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لہریں بھی جاری ہو جاتی تھیں، آپ کے ہاتھوں میں جود و کرم کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا تھا، یہی وسیع ترین رحمت آنحضرت ؐ کے ظاہر و روشن صفات میں سے ہے، جو اپنی جانب تمام مشاہیر اور بہادروں کو کھینچتی رہے گی، اور یہ بہادر جذبۂ رحمت میں آپ سے سبقت لے جانا چاہیں گے، لیکن ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکیں گے، اور آنحضرت ؐ اس صفت میں تنہا تمام کے پیشوا اور قائد اعظم تسلیم کئے جائیں گے۔

فصاحت وبلاغت کا سَرچشمہ

بطلِ اعظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے، آپ پر وحی نازل ہوتی تھی، جو کچھ آپ کو بہ طور الہام عطا کیا گیا، اس کی تفصیل کتاب اللہ میں ہے، اِس کے علاوہ آپ کے جو اقوال و آثار ہیں، وہ آپ کی عقلِ سلیم اور پاکیزہ زبان کے نتائج و ثمرات ہیں، آپ کے کردار و گفتار کی حقیقی تصویر تا اَبد جھلکتی رہے گی اور آپ لوگوں کے پیشوا اور فصاحت و بلاغت کے اِمام تسلیم کئے جائیں گے، جس شخص میں یہ تین اہم امور انجام دینے کی صلاحیت پیدا ہو جائے، وہ تاریخ عالم کی بے مثال ہستی تصوّر کیا جائے گا:

(۱) مختلف قبائل اور متضاد خاندانوں کو متحد و منظم کر کے ایک جماعت بنا دینا۔

(۲) ایک ایسی سلطنت کی بنیاد قائم کرنا، جو چار دانگ عالم میں تمام حکومتوں اور سلطنتوں کا مرکز بن جائے اور صدیوں تک برقرار رہے، چنانچہ مشرق و مغرب میں جہاں بھی آل ہاشم نے سلطنت قائم کی، اس کے اثرات کم ازکم ہزار سال سے بھی زیادہ مدت تک برقرار رہے۔

(۳) دنیا کے سامنے ایک ایسا دین پیش کرنا، جس کو عرب و عجم، سیاہ و سپید غرض کہ لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں ماننے والے موجود ہوں۔

چنانچہ یہ تین عظیم الشان مقاصد آپ میں جلوہ گر تھے، جن کی تکمیل وحی کے بعد آپ کی شستہ و شیریں زبان، فصیح و بلیغ انداز، عقل فہیم اور طبع سلیم کے ذریعہ ہوئی۔

تمام کا اس بات پر اتفاق ہے، کہ آنحضرتؐ کو ایسا آسان اُسلوب تفہیم اور معجز طرز بیان عطا کیا گیا تھا، جو کسی معلم و مصلح کو نصیب نہ ہوا، آپ عربی زبان کے مالک تھے، آپ کا ہر لفظ معانی کا مخزن، ہر کلمہ حقایق سے لب ریز، ہر قول حکمتوں کا سرچشمہ، اور ہر جملہ لطافت و فصاحت کا مظہر تھا، جو تصنع اور خود ساختگی کے شائبہ سے پاک تھا۔

ایک دن آپ کے صحابہ نے عرض کیا، ہم نے آپ سے زیادہ فصیح و بلیغ کسی کو نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا، اس میں کیا شک ہے، قرآن تو میری ہی زبان میں نازل کیا گیا ہے، آنحضرتؐ نے اپنی فصاحت کی خود اس طرح تعبیر پیش کی کہ آپ قریش میں پیدا ہوئے اور بنو سعد میں پرورش پائی، اس سے آپ کی مراد یہ تھی، کہ آپ کے اندر دیہات کے جراءت آمیز انداز اور شہر کے لطافت بخش آثار موجود تھے، آپ کا قریش میں پیدا ہونا اور بنو سعد میں نشو و نما پانا اس پہلو پر روشنی ڈالتا ہے، کہ

آپ میں عرب کے ہر قبیلہ و گروہ کو اپنے لہجے سے مخاطب کرنے کی قدرت پائی جاتی ہے، آپ ایسے دل کش انداز، بلیغ اسلوب اور شستہ زبان میں کلام فرماتے کہ سننے والا، خواہ وہ قحطان یا عدنان کا ہو، یا جنوبی جزیرہ کا، خواہ وہ شمالی حجاز کا باشندہ ہو، یا تہامہ یا نجد کا، خود بخود آپ کا گرویدہ ہو جاتا اسے اعتراف کرنا پڑتا، کہ آنحضرت ؐ فصاحت و بلاغت کے امام ہیں۔

آپ کی گفتگو بہت روشن، صاف اور واضح ہوتی، اس میں حشو و زوائد، ابہام اور اشتباہ کو دخل نہ ہوتا، آپ کی مجلس میں سے ہر شخص اس کو یاد کر سکتا تھا، حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم تمہاری طرح تیز گفتگو نہیں فرماتے تھے، بلکہ آپ رُک رُک کر صاف اور واضح کلام فرماتے تھے، آپ کے قریب بیٹھا ہوا ہر شخص اس کو محفوظ کر لیتا عائشہ رضؓ سے ایک اور روایت ہے، کہ آپ اس طرح گفتگو فرماتے تھے، کہ اگر کوئی شخص اس کو شمار کرنا چاہے، تو شمار کر سکتا تھا؛

عرب کی قوموں کو اپنی فصاحت و بلاغت پر بہت ناز تھا، اس غرض کے لئے ان کے بڑے بڑے میلے ہوا کرتے، جہاں وہ اپنے باہم ادبی مظاہر کیا کرتے تھے، جس کے اشعار لاجواب ہوتے اُن کو جلی حروف میں لکھ کر کعبہ کی دیواروں پر آویزاں کیا جاتا تھا، ایسے لوگوں کے درمیاں آنحضرت ؐ مبعوث ہوئے، اور فصاحت و بلاغت کے ایسے جوہر دکھائے، جن کی آب و تاب سے عرب کے فصاحت کے دعویداروں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں، انہی عربوں میں، خواہ وہ جاہلیت کے ہوں یا اسلامی دور کے، ابوبکر رضؓ قریش میں باعتبار حسب و نسب بہت ممتاز تھے، یہ بھی آنحضرت ؐ کی فصاحت و بلاغت پر حیرت کرتے تھے، ایک دن

ابو بکرؓ نے عرض کیا میں عرب کے گلی کوچہ اور یہاں کے بازار گھوم چکا ہوں فصحاء کے بلیغ سے بلیغ کلام کو بھی سن چکا ہوں، لیکن آپ کی فصاحت و بلاغت کے مقابلہ میں سب کو ہیچ پایا۔ یہ ادبی شان آپ میں کس نے پیدا کی، کس نے آپ کو یہ معجز بیانی سکھادی؟ آپ نے فرمایا میرے پروردگار نے مجھے ادب سکھایا اور اعجاز بیان سے آراستہ و پیراستہ کیا، آپ کی فصاحت کی یہی سچی تفسیر ہے، کیوں کہ آنحضرت ؐ فطری طور پر فہیم و ذکی تھے، آپ کو من جانب اللہ غیر معمولی فہم و بصیرت، عقل سلیم اور طبع مستقیم عطا ہوئی تھی جو آپ کے ہر قول و فعل میں جلوہ گر نظر آتی تھی:

جاحظ، جو عربی ادب میں بہت بلند درجہ رکھتا ہے، آنحضرت ؐ کے فصیح و بلیغ کلام کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:-

"خدا نے آپ کے کلام میں لطافت و محبت کی چاشنی پیدا کی تھی اور اس کو قبولیت کا شرف عطا کیا تھا، اس میں شیرینی، دل آویزی اور شستگی بھی جمع کی تھی، باوجود کلام کی تکرار اور سننے والے کو اعادہ کی عدم حاجت کے، نہ آپ کے کلام کا وقار اور توازن گھٹتا نہ کسی کلمہ میں لغزش ہوتی، آپ کی بلاغت کا نہ کوئی دشمن مقابلہ کرسکا، اور نہ کسی خطیب کو آپ کی فصاحت کی ہمسری کی ہمت ہوئی، آپ طول طویل خطبوں کو موجز و مجمل کلام میں بیان فرما دیتے، آپ نے صداقت و واقعیت کو کبھی اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیا، آنحضرت ؐ کے کلام میں جس قدر راست بازی، انصاف پسندی، نفع رسانی

اور وزن و وقار کا پہلو غالب تھا، اتنا کسی اور کے کلام میں ناپید تھا۔"

اب ہم نبی اکرمؐ کے ان اقوال و کلمات سے، جو مختلف مواقع پر استعمال کئے گئے جن میں بے شمار معانی و حقایق پوشیدہ ہیں "مشتے نمونہ از خروارے" پیش کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ آپ کی فصاحت و بلاغت کا سمندر کس قدر پایاب اور ذخار تھا، صدیاں گزرنے پر بھی اس قسم کی جودتِ طبع اور طلاقت لسانی و معجز بیانی کا ثبوت کوئی شخص نہیں پیش کر سکتا۔

آنحضرتؐ فرماتے ہیں "میرے پروردگار نے مجھے نو چیزوں کا حکم دیا ہے۔

(۱) خفیہ و علانیہ حالت میں اور خلوت و جلوت میں خدا سے ڈرنا۔
(۲) غصہ اور خوشی کے وقت عدل و انصاف کو ملحوظ کرنا۔
(۳) فقر و غنا میں میانہ روی اختیار کرنا۔
(۴) جو مجھ سے قطع تعلق کرے میں اس سے صلۂ رحمی کروں۔
(۵) جو مجھے محروم رکھے میں اس پر بخشش و احسان کروں۔
(۶) جو مجھ پر ظلم و ستم ڈھائے میں اسے درگزر کروں۔
(۷) میرے ارادہ میں غور و فکر ہو۔
(۸) میری زبان پر ذکر خدا ہو۔
(۹) میری نظر سراپا عبرت ہو۔"

لوگوں نے آنحضرتؐ کی تلوار پر یہ کلمات لکھے ہوئے پائے "تجھ پر

جو ظلم کرے، تو اس کو معاف کر دے، جو تجھ سے رشتہ توڑ لے، تو اس کو جوڑ دے جو تجھ سے بدی کرے تو اس پر اچھائی کا سلوک کر، ہمیشہ حق بات کہہ خواہ اپنی ذات پر ہو۔

ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں، میں آنحضرتؐ کا ردیف تھا، آپ نے ارشاد فرمایا اے لڑکے! اللہ کی حفاظت کر، خدا تیری حفاظت کرے گا؛ حق کی حفاظت کر، خدا کو تو اپنے قریب پائے گا، خوش حالی میں اللہ کی حمد و ثنا کر، تنگ دستی اور مصیبت کے وقت وہ تیری تعریف کرے گا۔ اگر تجھے کسی چیز کی حاجت ہے، تو تو اسے اللہ ہی سے مانگ، اگر تجھے امداد و اعانت درکار ہے تو خدا ہی سے طلب کر، خدا نے جو چیز تیرے مقدر میں نہیں لکھی، اگر تمام لوگ بھی مل کر تجھے کچھ فائدہ پہونچانا چاہیں، تو ان سے نہ ہو سکے گا، قلم خشک ہو گئے اور دفتر تہ کر دیئے گئے، اگر تیرے اندر تسلیم و رضا کے ساتھ اللہ کے لئے عمل کرنے کی قوت موجود ہے، تو تو اسے کر گزر، اگر تجھ میں اتنی قدرت نہیں تو مصیبت پر صبر کرنے میں بہت بہتری ہے، کامرانی دفتح صبر و عزیمت سے اور راحت و آسائش مصیبت و تکلیف سہنے کے بعد حاصل ہوتی ہے؛ ہر تنگی کے بعد کشادگی اور ہر مشکل کے بعد آسانی ہے اور تنگ دستی و مشکل ہرگز خوش حالی اور آسانی پر غالب نہیں آسکتی۔"

ابو ذرؓ سے مروی ہے، کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "تو جہاں کہیں ہو خدا سے خوف کر، بدی میں نیکی اور احسان کر، کیوں کہ بھلائی برائی کو مٹا دیتی ہے، لوگوں سے حسن خلق اور نیک سلوک سے پیش آ۔

ابن عمرو بن عاص روایت کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا " یہ دو خصلتیں جس شخص میں پائی جائیں گی، اللہ تعالیٰ اس کے نام کے ساتھ صابر و شاکر لکھے گا، جس شخص میں یہ صفات نہ پائی جائیں، وہ نہ شاکر کہلایا جائے گا اور نہ صابر۔

(۱) جس شخص نے اپنے دین میں بڑے آدمی کو دیکھا اور اس کی اِقتداء کی۔

(۲) جس نے اپنی دنیا میں اپنے سے کم مرتبہ شخص کو دیکھا اور اللہ کے فضل و احسان کی حمد و تعریف کی۔"

حضرت حذیفہ رضؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے کوئی شخص خود کو ڈانواڈول نہ ثابت کرے، (یعنی وہ شخص جو اپنی کمزوری کی وجہ سے نہ دوسروں کی رائے پر چلتا ہے اور نہ اپنی رائے پر ثابت قدم رہتا ہے) جو یہ کہتا ہے، کہ میں لوگوں کے ساتھ ہوں، اگر کوئی بھلائی کریں تو میں بھی اِحسان کروں گا اگر وہ برائی کریں، تو میں بھی بدی کروں گا، لیکن تم اپنی رائے میں مستقل رہو، اگر لوگ بھلائی کریں تو تم بھی ان کا اِتباع کرو، اگر وہ برائی کریں، تو تم ان کی بدی سے اِحتراز نہ کرو۔"

حضرت معاویہ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عائشہ رضؓ کو ایک خط میں لکھا کہ تم مجھے ایک جامع اور مختصر خط لکھو جس میں میرے لئے کچھ وصیت ہو، چنانچہ انھوں نے ان کو لکھا، تم پر سلام ہو، بعد حمد خدا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، کہ جو شخص لوگوں کو ناخوش رکھ کر خدا کو رضامند رکھے گا خدائے تعالیٰ اس کو لوگوں سے محفوظ رکھنے کا ذمہ لے گا، اگر اللہ کو ناخوش رکھ کر لوگوں کی خوشنودی تلاش کریگا۔"

تو خدا اپنا ذمہ اس سے اٹھا لے گا، اور لوگوں کے رحم و کرم پر اُسے چھوڑ دیگا۔
" والسّلام علیک "

آنحضرتؐ نے اِرشاد فرمایا، اِنسان کے اندر یہ چیزیں نہایت بُری ہیں بخیلی جو ہلاک کر دے اور وہ بزدلی جو مصیبت میں ڈالے، تم ظلم کرنے سے بچتے رہو، کیوں کہ ظلم قیامت کے دن کی ظلمتوں میں سے ہے، بخل سے بھی پرہیز کرو کیونکہ بخیلی نے تمہاری گزشتہ قوموں کو ہلاکت کے گھاٹ اُتار دیا، ان کو خون ریزی اور ہتک حرمت پر آمادہ کر دیا، نیز آپ نے فرمایا۔ خدا نے تمہارے لئے تین چیزیں مذموم قرار دی ہیں، " قیل وقال، اضاعت مال اور کثرت سوال" نیز آپ نے فرمایا تم اپنے کسی بھائی کو گالیاں نہ دو، ایسا نہ ہو کہ خدا اس کو معاف کر دے اور تمہیں مصیبت میں مبتلا کر دے، نیز آپ نے اِرشاد فرمایا، کیا میں تمہیں بتاؤں تم میں سے بُرا شخص وہ ہے جو تنہا کھائے، اپنے غلام پر تازیانے لگائے اور اس پر رحم نہ کرے "

ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عن قریب وہ دور آئے گا جب کہ تو ایسی قوم کو دیکھے گا، کہ ان کے ہاتھوں میں گائے کی دُمیں ہوں گی اور وہ خدا کے غضب میں صبح و شام کریں گے" نیز آپ نے فرمایا " دو قسم کے لوگ جہنمی ہیں، ایک وہ جن کے پاس گائے کی دموں کی طرح کوڑے ہوں گے، جن سے وہ لوگوں کو مارتے رہیں گے دوسرا گروہ ان عورتوں کا ہوگا، جو اوڑھی ہوئی ہیں، مگر ننگی ہیں، لوگوں کے دلوں کو مائل کرنے والی اور خود ان کی طرف مائل ہونے والی ہیں، ان کے سر اونٹ کے کوہان کی طرح ہونگے، وہ جنت میں داخل ہوں گی، نہ اس کی بُو ہی سونگھ سکیں گی، نیز آپ نے اِرشاد فرمایا ہے، دو نعمتیں ایسی ہیں،

جن میں اکثر لوگوں کو نقصان پیش ہوتا ہے، ایک تندرستی دوسری فارغ البالی۔

اِس معنی خیز اور حقیقت پرور کلمات میں غور کیجئے اور دیکھئے کہ ان کے اندر کتنی حکمتیں پوشیدہ ہیں:۔

"اُس شخص کی صحبت میں کوئی بھلائی نہیں، جو تمہیں ویسا نہ چاہئے، جیسا کہ تم اُس کو چاہتے ہو" "لوگ اپنے زمانے سے شباہت رکھتے ہیں" "میری اُمت جب تک امامت کو غنیمت اور صدقہ کو فرض نہ سمجھے، بھلائی پر رہیگی"۔ "بخل کی اطاعت کیشی، نفسانی خواہشوں کی پیروی اور خود پسندی سے بچتے رہو کیونکہ یہ چیزیں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں"۔

آنحضرت ؐ ایک منصف مزاج اور حقیقت پسند خطیب تھے، اپنی بصیرت افروز حقیقتوں کو لوگوں کے دلوں اور کانوں تک اس انداز میں پہونچاتے، کہ وہ ان میں سرایت کر جاتیں، آپ رنگین کلامی اور فضول باتوں اور لفاظی سے لوگوں کے دلوں کو مسخر کرنے کا کبھی قصد نہ فرماتے تھے، آپ خواہ مخواہ کی فصاحت چھانٹنے، منہ بنا بنا کر گفتگو کرنے کو نہایت ناپسند جانتے تھے، آپ کی گفتگو حد درجہ واضح اور ظاہر ہوتی جو دل و دماغ میں فوراً اثر انداز ہو جاتی، آپ طول طویل خطبے ایجاز و اختصار کے ساتھ دیا کرتے جو حشو و زوائد سے خالی ہوتے تھے، حاصل کلام یہ کہ آپ کے کلام میں ایجاز کامل کے ساتھ ساتھ اعجاز اکمل بھی پایا جاتا تھا۔

ابو سعید خدری رض فرماتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا، قیام قیامت کے متعلق جس قدر شواہد و آثار تھے، وہ تمام ہمارے روبرو پیش کئے، بعضوں نے اس کو یاد کر لیا اور بعض

بھول گئے، آپ نے اپنے خطبہ میں فرمایا " دنیا ایک دلکش سبز باغ ہے؛ خدا نے تمہیں دنیا کا خلیفہ اور اپنا نائب بنایا ہے، وہ دیکھ رہا ہے، کہ تم کیسا عمل کرتے ہو، سنو ! دنیا سے بچتے رہو، عورتوں کے معاملہ میں احتیاط برتو، جب کسی شخص کو حق بات کا علم ہو جائے، تو اس کو بلا خوف وخطر کہہ دے اور لوگوں کے خوف کا اندیشہ نہ کرے، آگاہ ہو جاؤ ! ہر فریبی اور غدار کے لئے قیامت کے دن اس کے دھوکے اور فریب و غدر کے مطابق ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا نافرمان امام کے دھوکے سے بڑھ کر اور کوئی غدار نہیں ہے، غصہ انسان کے دل میں گویا ایک چنگاری ہے، جس سے اس کی دونوں آنکھیں سرخ انگارا ہو جاتی اور رگیں پھول جاتی ہیں، اگر اس کا احساس ہونے لگے تو اپنے مقام سے اٹھ جانا چاہیئے؛

پھر ذرا اس خطبہ کو بھی ملاحظہ کیجئے، جس کو آپ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفہ کے میدان میں ایک لاکھ آدمیوں کے مجمع کے سامنے دیا، جو زندگی کے اکثر وبیشتر بنیادی امور اور شریعت کے ٹھوس اصول پر حاوی ومحیط ہے، اس کے اندر آپ نے جاہلیت کے رسم ورواج کو مٹا دیا، باہم مساوات قائم کیا، انتقام کے پست ترین جذبات کو فنا کر دیا اور عصبیت کی دبی ہوئی چنگاریوں کو، جو عربوں میں آناً فاناً صرف ایک جھونکے سے بھڑک جایا کرتی تھیں، ایک دم بجھا دیا، اسی طرح سود کو بھی حرام کر دیا، عورت کی شان ومنزلت بڑھائی، فتنہ وفساد، لوٹ مار، اور آپس کے جنگ وجدل کو، جو عربوں کے عزت ووقار کا سرمایہ تصور کیا جاتا تھا، مطلقاً حرام قرار دیا، حرمت والے مہینوں کو حلال کیا اور حلال وحرام اوقات کو بیان فرمایا کیونکہ اہل روم خاص مہینوں میں عربوں سے جنگ کرنے کو حرام قرار دینے میں

انتہائی غلو برتتے تھے اور ان کے حدود سے تجاوز کر جاتے تھے، الغرض آپ نے لوگوں کو مختلف احکام و اوامر کی نصیحت فرمائی اور جن گناہوں کو حقیر اور اعمال کو کم تر جانتے تھے، ان سے خوف دلایا۔

آپ نے خطبہ کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

لوگو! تم اچھی طرح کان دھر کر سنو! کیوں کہ نہیں معلوم کہ میں اس سال کے بعد پھر اس جگہ تم سے خطاب کر سکوں، لوگو! زمانہ اس وقت سے اب تک اپنی گردش میں مصروف ہے، جب سے کہ اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا، بارہ مہینوں کا ایک سال ہے، ان میں سے چار مہینے حرمت و تعظیم والے ہیں، یہ تین تو مسلسل ہیں، ذوالقعدہ، ذوالحجہ محرم اور چوتھا رجب جو شعبان اور جمادی کے مابین ہے، یہ مہینہ کونسا ہے کیا ذوالحجہ نہیں ہے؟ لوگوں نے عرض کیا بے شک وہی ہے، آپ نے فرمایا یہ شہر کونسا ہے؟ کیا یہ وہی شہر نہیں ہے، لوگوں نے کہا بے شک، آپ نے فرمایا یہ دن کونسا ہے کیا قربانی کا دن نہیں ہے! لوگوں نے جواب دیا بے شک ——— تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں تم پر حرام ہیں، جیسا کہ یہ دن، یہ مہینہ اور یہ مقدس شہر حرمت والے ہیں، تم عن قریب اپنے پروردگار سے جا ملو گے اور اپنے اپنے اعمال کے متعلق پوچھے جاؤ گے، سنو! میرے بعد کہیں تم گم راہ نہ ہو جاؤ اور ایک دوسرے کی گردنیں مارتے پھرو، تم میں سے جو شخص یہاں حاضر ہے اپنے

دوسرے غیر حاضر شخص کو میرا پیغام پہونچا دے، شاید وہ لوگ جن کو یہ پیغام پہونچا ہے بمقابلہ سننے والوں کے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں، کیا میں نے اپنا پیام پہونچا دیا کیا میں نے اپنی تبلیغ کا فریضہ انجام دے دیا؟ جس شخص کے پاس کوئی امانت ہو اس کو اس کے حق دار تک پہونچا دے ہر سود ساقط کر دیا جاتا ہے، ہاں تمہارا راس المال تم رکھ سکتے ہو، تاکہ کسی پر ظلم نہ ہو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے، کہ راس المال سود نہیں ہے، عباس بن عبدالمطلب کا جتنا سود ہے، وہ سب ساقط کر دیا جاتا ہے، جاہلیت کی جس قدر خوں ریزی اور دیت تھی، وہ تمام معدوم کر دی جاتی ہے، سب سے پہلے میں عبدالمطلب کے بیٹے حارث بن ربیعہ کی خوں ریزی کو معاف کرتا ہوں۔

لوگو! اب شیطان جزیرۂ عرب میں بتوں کی عبادت سے مایوس ہو چکا ہے، مگر اس کے علاوہ دیگر چیزوں میں اس کی اپنی اطاعت کی توقع ہے، تم اپنے جن اعمال کو حقیر سمجھتے ہو، وہ ان سے خوش ہو گیا ہے، تم اپنے دین میں شیطان سے ڈرتے رہو، لوگو! بے شک نسئی کفر میں زیادتی کا موجب ہے، کافر لوگ اس سے گمراہ ہو جاتے ہیں، ایک سال تو اس کو حلال کر دیتے ہیں اور دوسرے سال حرام، تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو تعداد حرمت کی مقرر کی ہے، اسکی موافقت ہو جائے، اس لئے وہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو

حلال کر دیتے ہیں :

لوگو! تم پر اپنی عورتوں کا حق ہے اور اُن پر بھی تمہارا حق ہے، تم پر ان کا یہ حق ہے، کہ وہ تمہارے سوائے کسی ایسے شخص سے میل جول اور ربط وضبط نہ رکھیں، جس کو تم ناپسند سمجھتے ہوں، اور کوئی فاش غلطی نہ کر بیٹھیں اگر وہ اس طرح کریں، تو اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے کہ تم ان کو اپنے بستروں سے الگ کر دو اور ان کو پہلے تو ہلکی سی سزا دو، اگر وہ اِس سے باز رہ جائیں تو ان کے لئے ان کا کھانا اور کپڑا ہے :

اَے لوگو! تم عورتوں کو بھلائی کا حکم کرو (یعنی مَرتے وقت مال اور ورثہ کی وصیت کرو) کیوں کہ وہ تمہارے پاس قیدیوں کے مانند ہیں، اُن کو اپنے آپ کسی چیز پر قابو نہیں ہے :

اے لوگو! تم میری باتوں کو سمجھ لو، میں نے اپنی تبلیغ کا فرض ادا کر دیا، میں نے تم میں دو چیزیں یعنی کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ چھوڑی ہیں، جب تک تم ان کو مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے :

اَے لوگو! میری باتیں سُنو اور سمجھو اور جان رکھو کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اور تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، اپنے ایک بھائی کا مال دوسرے پر حرام ہے، لیکن ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے دے دے تو

جائز ہے، تاکہ تم اپنے نفسوں پر ظلم نہ کر بیٹھو، اے خدا کیا
میں نے اپنا تبلیغی فرض پورا کر دیا؟ لوگوں نے بیک آواز
جواب دیا بے شک! آپ نے فرمایا اے اللہ تو گواہ ہے،
پھر آپ اپنی اُونٹنی پر سے اُتر گئے؛

اِس خطبہ میں زندگی کے اہم اُصولوں کو یکجا کر دیا گیا ہے، جن لوگوں
نے اس خطبہ کے وقت عرب کی اِجتماعی حالت بلکہ تمام اِنسانی سوسائٹی کی کیفیت
کا مطالعہ کیا ہے، وہ بخوبی جانتے ہیں، کہ یہ خطبہ آنحضرتؐ کی ظہور قدسی کے
بعد ایک اہم اجتماعی اِنقلاب کا پیش خیمہ اور زبردست اِصلاحی نظام کے
لئے سنگ بنیاد تھا، اس کے اندر تمام امراض وعلل کی تشخیص اور ان کا
علاج، تہذیب وعمران کے وہ زرین اُصول اور اِرتقاء کے وہ اسرار
و رموز پوشیدہ ہیں، جنھوں نے عرب کے جاہلوں اور گمراہوں کے اندر وہ
عظیم الشان روح پھونکی اور ایک ایسی قوم بنا دی، جو مشرق ومغرب میں
صدیوں تک حکمرانی کرتی رہی۔

زمانہ خواہ کتنا ہی پلٹا کھائے اور گزشتہ یادگاروں کو مٹانے کی کوشش
کرے، آنحضرتؐ کی فصاحت و بلاغت کا سرچشمہ اپنی لطافت خیز رفتار اور
ترنم ریز آواز کے ساتھ جاری رہیگا؛ اور علم وادب کے شیدائیوں اور دلدادگاں
کو ایسا سرور وکیف بخشتے گا، جس میں اَدیب اپنے دل میں وجدانی کیفیت
اور روح میں تسکین محسوس کرے گا؛

حسنِ سیاست و تدبیرِ امور

گزشتہ باب میں بطلِ اعظم کے چند ایسے مشہور کردار اور اہم صفات پر روشنی ڈالی گئی تھی، جو ہر شعبۂ حیات کی اِصلاح کے لئے مفید و موثر ہیں -
اب ہم یہاں آپ کی دیگر ان خصوصیات کو بیان کرتے ہیں، جو سیاست دانوں، حکمرانوں اور قائدین کے لئے ہر اصلاحی و اخلاقی نظام کے لئے نمونہ اور مثال ہیں، اور جن میں اِنسانوں کی فلاح و بہبودی کے راز مضمر ہیں
آنحضرت جن اخلاقِ حسنہ کا پیکر تھے، اور جس قسم کے سیاست دان، دُور اندیش اور مآل کار واقع تھے، اور جو کامرانی و فتح آپ کو نصیب ہوئی، نہ وہ کسی شخص کو حاصل ہوئی اور نہ آئندہ ہوگی -

آپ کی [illegible] خصوصیت ہے جس میں آپ

حکومت الہیّہ کو دنیا میں رائج کرنے کے لئے ایک بے نظیر ہستی تصور کئے جاتے ہیں، اس پہلو میں آپ تمام انبیاء و مرسلین میں ممتاز نظر آتے ہیں آپ کی زندگی مدینہ میں زیادہ نمایاں حیثیت رکھتی ہے، جہاں کے احوال کا اقتضا یہ ہے، کہ وہاں کا زعیم و قائد امت کا بنی ہو، سیاسی اور اجتماعی زندگی کے متعلق اسلامی شریعت کے اصول و احکام جس قدر تفصیل و وسعت کے ساتھ مدینہ میں وقوع پذیر ہوئے، اس قدر مکہ میں نہیں تھے بلکہ یہاں تبلیغ و دعوت کی ابتدا تھی، لوگوں کو اللہ کی حقیقت سے روشناس کرانے اور ان کو قیامت، حشر و نشر اور حساب و میزان سے خبردار کرنے پر پوری قوت صرف کی گئی اس طرح دو مختلف مقامات میں دعوت و تبلیغ کا کام انجام دینے کی وجہ سے بعض غیر اقوام کے مصنفین و مورخین کو آنحضرت کی مکی و مدنی دو شخصیتیں تصور کرنی پڑیں، چنانچہ ان کا خیال ہے کہ مکہ میں آپ نبی ہیں اور مدینہ میں حکمران اور بادشاہ۔

اگر یہ لوگ اس وہم و گمان کو چھوڑ کر انصاف کی نظر سے دیکھتے تو ان کو معلوم ہو جاتا، کہ جو محمدؐ مکہ میں وعظ و تبلیغ فرماتے ہیں، وہی مدینہ میں اس قدر عبادت کرتے ہیں، کہ آپ کے قدم مبارک طویل وقفہ تک دربار الٰہی میں مصروف ہونے کی وجہ سے متورم ہو جاتے ہیں۔ یہ وہی محمدؐ ہیں کہ آپ کی وفات اس حالت میں ہوتی ہے، کہ دولت کے ڈھیر کے مالک ہیں لیکن آپ کا بکتر ایک یہودی کے پاس رہن ہے۔

بلکہ یہ لوگ مشاہدہ کریں گے، کہ طائف کے ان اوباشوں، آوارہ منش لوگوں اور غلاموں کے حق میں، جنھوں نے آپ کا پیچھا کیا، مذاق اڑایا، پتھروں سے زخمی کیا یہاں تک کہ آپ کو ایک مقام پر بیٹھنے بھی نہ دیا؛

آنحضرتؐ اللہ سے ہدایت کی دُعا فرماتے ہیں۔

وہی محمدؐ ہیں، جو فتح مکہ کے دن عثمان بن طلحہ کو کعبہ کی کنجیاں عطا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں، آج کا دن بھلائی، احسان اور وفاداری کا دن ہے۔

اگر یہ لوگ، جنھوں نے آپ کو مکہ میں نبی اور مدینہ میں سلطان اور صاحب دولت قرار دیا ہے، غور سے مطالعہ کرتے کہ کس جانفشانی اور کد وکاوش سے مصیبت وابتلاء کے زمانے میں مکہ میں حکومت ودولت کا خاکہ تیار کیا گیا، تو ان کو مدینہ میں ہی اس کی داغ بیل ڈالنے کا گمان نہ ہوتا، بلکہ وہ یہ جان لیتے کہ یہ تیرہ سال کی مسلسل کوششوں اور جانفشانیوں کا نتیجہ اور خدائے تعالیٰ کے اس قول " فاصدع بما تومر و اعرض عن المشرکین۔ جو تجھے حکم دیا جاتا ہے، اس کی پیروی کر اور مشرکین سے اعراض کر" کی دعوت کا ثمرہ ہے۔

مدینہ میں حکومت ودولت کا قیام و استحکام تو آنحضرتؐ کے ان تلامذہ اور پیروؤں کے ہاتھوں ہوا، جنھوں نے پہلی اور دوسری مرتبہ اللہ کے حکم سے اللہ کے راستہ میں حبشہ کی طرف ہجرت کی، اور اس کے بعد مدینہ کی جانب رجوع ہوئے، نیز اس میں ان انصار کا بھی حصہ تھا، جنھوں نے مکہ کی گھاٹی میں آنحضرتؐ سے پہلی اور دوسری مرتبہ بیعت کی۔

یہی وہ اُمت کے مقدس تخم ہیں، جنھیں رسول اللہؐ نے اپنے ہاتھوں سے سرزمین مدینہ میں بویا تھا، اُنھی کے ہاتھوں دولت اسلامیہ قائم ومستحکم ہوئی پھر اس کے بعد اسلامی شہنشاہیت کے دور کا ظہور ہوا۔

آنحضرتؐ مکہ اور مدینہ میں اپنے شعور رسی سے لے کر اپنی وفات تک، دور اندیش، مدبر و مفکر، عقل خداداد کے مالک اور پختہ کار ریاست دان تھے، آپ نے مکہ کی مشہور و معروف ہستیوں سے فائدہ اٹھایا، عبدالمطلب کے زیر سایہ پرورش پائی، طائف سے واپسی کے بعد مطعم بن عدی کی حمایت میں جو مشرک تھے مکہ میں داخل ہوئے، آپ نے بت پرستوں کے ربط و تعلق کو اس لئے قبول فرمایا، تاکہ مکہ سے بتوں کو منہدم کرنے میں سہولت پیدا ہو، اور مدینہ میں یہاں کے لوگوں کی تنظیم و اتحاد، معاہدہ اور نصرت و مدد کو اس لئے قبول فرمایا، تاکہ اس کے ذریعہ آپ اپنی جان اور اپنے اصحاب کو محفوظ رکھ سکیں اور بتوں کی بھی بیخ کنی ہو جائے آپ کا مقصد و مدعا ایک، غرض و غایت ایک اور نقطۂ نظر ایک تھا، لیکن اس کی صورتیں مختلف، احوال جداگانہ اور مظاہر گوناگوں تھے، صور و اشکال کی تبدیلی سے کیفیت و ہیولی میں کسی قسم کا تغیر و تبدل وقوع پذیر نہیں ہو سکتا، لیکن غیر منصف مزاج ناقدین و مورخین نے ان تصویروں کو سمجھنے میں فاش غلطی کی اور ان کو ان مختلف مظاہر سے غلط فہمی پیدا ہو گئی۔

اگرچہ مدینہ میں زندگی کے مختلف ادوار و مراحل کے مد نظر بیشمار تشریعی احکام اور تنظیم و تصریف امور کے اصول پیش کئے گئے، لیکن یہ آپ کی شخصیت کے تبدیل ہونے پر برہان و دلیل نہیں ہو سکتے بلکہ آپ کی جلالتِ شان، حسن رائے اور عقلی برتری پر دلالت کرتے ہیں۔

آنحضرت جس شخصیت کے ساتھ مکہ میں مشرکین کا بے خوف و ہراس مقابلہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، آپ مدینہ میں بھی اسی شان سے

دنیا کے مختلف کام انجام دیتے ہیں، اس سے آپ کی ذات کی ان قوتوں اور روحانی طاقتوں کا پتہ چلتا ہے، جنھوں نے آپ کو ہر دشوار گزار مراحل میں حسب اقتضائے حال اور مناسب مواقع پر کامیابی و تسلط عطا کیا۔

آپ کی شخصیت میں یہی وہ عظیم الشان صفات اور اولوالعزم قوتیں جمع تھیں، جن کی بدولت آپ نے اپنے اخلاق کا مجسمہ پیش کیا اور ہر حیثیت سے امتیاز پیدا کیا، آپ انہی صفات و قویٰ کے مجموعہ سے تبلیغ و دعوت کے زمانے میں، خواہ وہ مکہ میں طاقت و قوت سے محرومی کا دور ہو، یا مدینہ میں سیاست و دولت کی فراوانی کا، آپ ایک مستقل اور کامیاب حکمران و فاتح نظر آتے ہیں، جو پوری توجہ کے ساتھ اللہ کی یاد میں مصروف تھے اور یہی توجہ آپ کی زندگی کا نقطۂ نگاہ اور آپ کی منزل مقصود تھی، اس کے سوا تمام اشیاء کو دوسرے درجہ میں شمار کیا تھا، آپ دونوں مقامات (مکہ و مدینہ) میں عبادت گزار، پرہیزگار اور زہد خالص کا نمونہ تھے، آپ کے صحابہ آپ کے لئے ایک عمدہ بستر تیار کرنا چاہتے ہیں، آپ فرماتے ہیں مجھے دنیا سے کیا سروکار، میری اور دنیا کی مثال اس سوار کی طرح سے ہے، جو درخت کے سایہ تلے آرام کیا پھر وہاں سے چل دیا، آپ کو کسی جاہ و حشمت اور سلطنت و دولت کے زور نے مغلوب نہ کیا، نیز آپ نے تواضع اور بردباری سے باہر ایک قدم بھی نہیں بڑھایا۔

لیکن اب سوال یہ ہے کہ ناقدین آنحضرتؐ کی زندگی میں وہ کونسا تضاد اور اختلاف پاتے ہیں، جس کی بنا پر وہ آپ کو دو شخصیتوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں؟ کیا اس لئے کہ آپ مکہ میں کس مپرسی اور بیچارگی کی

حالت میں دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور مدینہ میں آپ اس حالت میں جہاد کرتے ہیں، کہ آپ کے پاس دولت و قوت کا سرمایہ موجود رہتا ہے؟ آپ کے پیش نظر اپنی زندگی کے آخری لمحات تک دونوں مقامات میں صرف ایک ہی مقصد و مدعا دین کی نشر و اشاعت اور اعلاء کلمۃ الحق تھا اور شرک و بت پرستی کا قلع و قمع کرنا۔

ناقدین کو آنحضرت ؐ کی مکی اور مدنی زندگی میں کونسا تناقض اور تضاد نظر آتا ہے؟ حالانکہ اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے، تو بآسانی اس کا پتہ چل سکتا ہے، کہ آپ مکہ میں اذیتوں اور تکلیفوں پر صبر کرتے ہیں، جاہلیت کے سربرآوردہ اشخاص کی آڑ میں اپنے نفس کو بچاتے ہوئے ان کے دین کو منہدم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم کرتے، اپنے دین کے معاملہ میں بحث و مباحثہ کرتے، سبھوں کو دین اسلام کی طرف دعوت دیتے، ہر دشوار اور مشکل ترین کام کو اپنی حسن رائے اور فکر و تدبر سے انجام دیتے ہیں، مدینہ میں آپ یہاں کے لوگوں سے نصرت و امداد طلب کرتے، یہود و مشرکین سے معاہدہ کرتے، اپنی حفاظت اس حکومتی قوت کے ذریعہ کرتے ہیں، جس کی آپ نے تنظیم کی تھی، مختلف پیچیدہ مراحل پر اور مختلف جنگوں میں اپنی دوربینی، اولوالعزمانہ قوتوں اور بہترین عقل و تدبر سے غلبہ و تسلط پاتے ہیں۔

مکہ میں تیرہ سال تک ضیغم اسلام اپنی قوتیں اور اپنی فوج صرف کئے بغیر خاموشی کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے، اور یہی ضیغم دس سال تک مدینہ میں اپنے شکار کو تھامے ہوئے رکھتا ہے ان دونوں زندگیوں میں

آنحضرت کی حسن رائے، صبر و استقامت کا جوہر، ملکۂ سیاست اور وسعت تدبر و عزیمت کا نمایاں اظہار ہوتا ہے، آپ کو جب حیرت انگیز کامیابی اور عظیم الشان فتح و نصرت نصیب ہوتی ہے، تو کفار انگشت بدندان ہو جاتے اور کہتے ہیں " اگر آپ سلطنت نہ قائم کرتے، اور لشکر کی قیادت نہ فرماتے تو خالص نبی متصور ہوتے۔

اگر یہ لوگ جو آنحضرت کو یہ سمجھتے ہیں، کہ آپ نے اپنی زندگی محض وعظ و نصیحت تک محدود نہ رکھی، بلکہ آپ نے اپنی دعوت و تبلیغ کو پہونچانے میں اپنی جان کی بھی پروا نہ کی، ٹھنڈے دل سے یہ بھی سوچتے اور غور کرتے، کہ آپ کو اپنے پیغام حق کے پہونچانے اور کلمۃ اللہ کو سربلند کرنے کے لئے کہاں تک کامیابی نصیب ہوئی، تو وہ آنحضرت کو ایک پیشوا و رہبر اور مصلح و فاتح سمجھنے میں ہمارا ساتھ دیتے؛

بت پرست و عصبیت پرور، سنگ دل و خوں ریز اور غارت گر قوم کے نزدیک آنحضرت کی دعوت و تبلیغ کی کوئی قدر و منزلت نہ تھی؛ انھوں نے آپ کا تمسخر آمیز اور مضحکہ خیز انداز میں استقبال کیا، کیوں کہ قریش نے آپ کی دعوت کا رد کرنے کے لئے یہی ایک طریقہ موثر جانا، انھوں نے آپ کو اور بنو ہاشم کو ایک ایسے درجہ پر پہونچا دیا تھا، کہ زبان ہلانے کا یارا تک نہ تھا؛

اگر یہ ناقدین عربوں کی زندگی کو چشم بصیرت وا کر کے دیکھتے، تو ان کو بآسانی صورت حال کا اندازہ ہو گیا ہوتا اگر آنحضرت حکومت الٰہیہ کے قیام کی جد و جہد نہ فرماتے اور اپنی تمام زندگی میں ایک ہی مقام پر توقف فرماتے، تو آپ کے دین کی چند واعظانہ یادگاریں باقی رہ جاتیں،

جو تاریخی حکایات و واقعات کے ضمن میں دہرائی جاتیں، یا آپ کا پیغام دیگر انبیاء کے ادیان کی طرح برائے نام باقی رہ جاتا، اس وقت اعداءِ اسلام اور مخالفین دین میں سے کوئی اِس دعوت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوتا اور دینِ اسلام کا نام ونشان صفحہ ہستی سے مٹا دیتا، علاوہ اس کے ناقدین کی ایک ایسی ہستی کے بارے میں کیا رائے ہے، جو عقل وتدبیر میں پختہ کار اور جواں مرد ہے، ادھر اس کی قوم نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اور وہ اُن سے روپوش ہو جاتا ہے پھر قوم کے افراد اس کا تعاقب کرکے اس کا خاتمہ کر دینا چاہتے ہیں، ہرچند کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کے درمیان محض عقیدہ کا نزاع تھا، جس نے آپ کو اس راہ میں بے شمار اذیتوں اور تکلیفوں کے برداشت کرنے پر آمادہ کیا، اور جو آپ کی زندگانی کا اساس اور حیاتِ جاودانی کا سرمایہ تھا، کیا آپ ایسی حالت میں مدینہ میں اپنی قوم کا انتظار کرتے ہوئے بیٹھ جاتے کہ وہ آکر آپ کو قتل کر دیں؟ اگر نکتہ چین حضرات کو اِس امر سے اختلاف ہوتا، کہ آپ کا مقصد دنیا کی دولت سے فائدہ کمانا تھا، تو ہم ان کی نکتہ چینیوں کے اصلی مدعا میں غور کر سکتے، لیکن واقعہ اِس کے خلاف شہادت دے رہا ہے، آپ کی غرض وغایت کبھی دنیا کمانے اور مال وزر جمع کرنے کی نہ تھی۔

آنحضرتؐ کمال عقل ودانائی اور دوراندیشی کے مالک تھے، مدینہ میں پہونچتے ہی آپ نے اپنی دعوت کی حفاظت اور اپنی قوم کی مدافعت کے لئے، جنھوں نے تیرہ سال کی مسلسل شفقتوں کے باوجود، آپ کی نصیحت کو قبول نہ کیا، سازوسامان کی تیاری شروع کر دی۔

اپنی بالغ نظر اور روشن فکر سے اپنے اور اپنے اصحاب کی مدافعت کے وسائل میں غور کیا، اس کو بہترین طریقہ سے استعمال کرنے کا وسیلہ سوچا آخر کار آپ کو وہ عظیم الشان کامیابی اور حیرت انگیز فتح نصیب ہوئی، جس کے بارے میں دائرۃ المعارف برطانیہ رقم طراز ہے :۔

"یہ وہ کامیابی ہے، جو آپ کے قبل کسی دَور میں بھی کسی دینی مصلح کو نصیب نہ ہوئی"

یہ بے مثال فوز و فلاح آنحضرتؐ کے نہ صرف زہد و عبادت، تواضع و انکسار، رحمت و رافت، ظاہر و باطن اور مقصد و مدعا کی تصویر کو بلا کم و کاست پیش کرتی ہے، بلکہ مدینہ میں آپ کی تبلیغ کے اُس تکمیلی خاکہ کو ظاہر کرتی ہے، جو مکہ میں حاصل نہ ہو سکا تھا، حکومت کے نقطۂ نظر سے جو عظمت و فوقیت آپ کو حاصل ہے، وہی نبوت میں بھی جھلکتی ہے، آپ کے طریقۂ حکومت سے آپ کی نبوت کی شان پر بھی روشن دلیل قائم کی جا سکتی ہے کیوں کہ فاتحین کی تاریخ میں آپ ہی ایک ایسی ہستی ہیں جو حکومت و دولت کے حاصل ہونے کے باوصف ایک فقیرانہ اور زاہدانہ زندگی بسر کرتے ہیں، پھر جب اس دنیائے فانی سے رحلت فرماتے ہیں، تو اپنی خلافت کا جانشین کسی کو نہیں بناتے، بلکہ اپنے وارثین کے لئے بھی کسی قسم کی تصریح نہیں فرمائی، اس کے برعکس فرماتے تھے ہم " انبیاء کی جماعت ہیں، کسی کو وارث نہیں بناتے، جو کچھ ہمارا ترکہ ہے وہ صدقہ ہے "

آپ کو نماز میں یاد آگیا کہ آپ کے گھر میں کچھ سونا باقی رہ گیا ہے، تو آپ نماز میں جلدی فرماتے ہیں اور گھر آکر بقیہ سونا تقسیم کر دیتے ہیں محض اس خیال سے کہ کہیں آپ اس حال میں اِنتقال نہ فرما جائیں، کہ

آپ کے پاس دنیا کی کوئی چیز باقی رہ جائے۔

آپ اونٹنی پر سوار ہوکر مکہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہوتے ہیں اور اپنا سر جھکائے ہوئے ہیں، ادھر آپ کے سامنے دشمن عاجز و ذلیل ہوکر کھڑے ہوئے ہیں، آپ کو خدشہ ہونے لگتا ہے، کہ کہیں آپ کے دل میں خود پسندی اور کبر کا شائبہ پیدا ہو جائے۔

بلا شک و شبہ ہم کہہ سکتے ہیں، کہ آنحضرت نے اپنی مدنی زندگی میں امت کی قیادت فرماتے ہوئے اپنے دور حکومت میں رسالت کے اُن فرائض کو، جنھیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذمہ کردانے تھے، نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ سرحد انجام تک پہونچایا، ہماری آنکھوں کے روبرو آپ نے اپنے واجبات و فرائض کو، مناسب اوقات اور موزوں مواقع پر، عملی جامہ پہنا کر دکھایا۔

اگر آپ دنیا سے رخصت فرما جاتے، اور اپنا یہ حیرت انگیز عملی کارنامہ دنیا کے روبرو پیش نہ کرتے، تو بطل اعظم اور بے مثال ہستی نہ بن سکتے، اگر محض وعظ و نصیحت کی باتیں اصلاح و انقلاب کی ذمہ دار ہوسکتیں، تو لوگوں کو مصلحین اور قائدین کی ضرورت ہی پیش نہ آتی، کتابوں کے ذریعہ سے لوگ بہت کچھ سیکھ سکتے تھے۔

لیکن آنحضرت کی شخصیت میں ایسے کردار جلوہ گر نظر آتے ہیں، جو آپ کے اقوال سے ہم آہنگ ہیں، جنھیں آنکھیں مشاہدہ کرتی ہیں، کان سنتے ہیں اور حس مشترک غور کرتی ہے، یہی وہ چیزیں ہیں جو لوگوں کو بے نظیر ہستی بناتی اور انسانوں کو بلند مرتبے تک پہونچاتی ہیں، چنانچہ بقول بوزورز اسمتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) علی الاطلاق دنیا کے مصلح اعظم ہیں

میں نے اپنے گزشتہ بیان میں دیگر ادیان کے بعض مصنفین و ناقدین کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا ہے، جنھوں نے آنحضور اکرمؐ کو مکی اور مدنی دو شخصیتوں میں تقسیم کرنے کی کوشش کی ہے، اب میں یہاں آنحضرت کی اس اہم خصوصیت پر روشنی ڈالوں گا جو اس باب کا اصلی مدعا ہے، جو ہمارے اخلاق کی روح کو زندہ کرنے کے لئے سامانِ حیات فراہم کرتا ہے۔

آنحضرتؐ اپنے رفیق ابوبکرؓ کے ساتھ سفر کی مشقتیں برداشت کرتے ہوئے مدینہ میں تشریف لائے، آپ نے اپنے اور اپنے اصحاب کے لئے یہاں کے لوگوں کی حمایت کا عہد لینا چاہا، تو آپ کو اس میں کامیابی نہ ہوئی، بالآخر آپ نے اپنے ضمیر کی روشنی میں صلح و آشتی، تنظیم داخلی اور امن خارجی کی ضرورت محسوس کی۔

مدینہ میں آپ اُس وقت تشریف لائے جب کہ اوس اور خزرج کی باہمی جنگ و جدل کو ہوئے تھوڑا عرصہ گزرا تھا، ان دونوں کی عداوت اور باہمی فتنہ پردازیاں قیامت کا سامان فراہم کر چکی تھیں، اُدھر یہود فتنہ و فساد کا بازار گرم کرنے اور عداوت و عناد کی چنگاریاں بھڑکانے کی کوشش میں مصروف تھے، کیوں کہ ان کو اندیشہ لگا ہوا تھا، کہ اوس و خزرج کہیں متحد و منظم ہو کر ان کی مصیبت کا موجب نہ بن جائیں۔

مدینہ کی جانب جن اصحاب نے ہجرت کی تھی ابھی اُن میں اتنی طاقت فراہم نہ ہوئی تھی، کہ وہ آپ کو پناہ دے سکیں، آپ ایسی قوم میں پناہ گزیں ہوئے، جس کو آپ کے اہل و عیال اور خاندان سے سخت نفرت تھی، مسلمانوں نے آپ کا شجاعت اور دلیری سے شاندار

استقبال کیا، ادہر یہود و مشرکین نے بھی خندہ پیشانی سے خیر مقدم کیا، مسلمانوں کی یہ آرزو تھی، کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ سے ان لوگوں کی اصلاح کرے اور نفاق و شقاق کو دور کر دے، اس طرف یہود و مشرکین اس امر کے متمنی تھے، کہ ایک عرب کا رہنے والا جس کو اہل کتاب سے الفت و مودت ہے بتوں کی حمایت کرے گا تاکہ ایک طرف عرب پر غلبہ پا سکیں اور دوسری جانب شمال میں نصرانیت کا مقابلہ کر سکیں، اس لحاظ سے آپ کو نت نئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، یہاں بھی یہود و مشرکین کی نگاہوں کا شکار ہونے کا اندیشہ ہو گیا۔

اب غور طلب امر یہ ہے، کہ آپ نے ایسے نازک مواقع پر کس حکمت عملی اور دور اندیشی سے کام لیا اور اس دشوار گزار اور خطرناک منزل کو کیوں کر طے کیا؟ آپ کے اندر ہر مہم کام کو انجام دینے کی صلاحیت و استعداد موجود تھی، اللہ نے آپ کو نہ صرف وحی سے سرفراز فرمایا تھا، بلکہ انسانیت کا بلند مرتبہ عطا کر کے حسن تدبیر اور کمال دانائی سے آراستہ کیا تھا۔

سب سے پہلے آپ نے ایک مسجد تعمیر کرنی شروع کی، یہی وہ مسجد تھی جس کے اندر دین و دنیا کی فلاح و بہبودی کا سرمایہ پوشیدہ تھا اسی میں اسلامی پارلیمنٹ قائم ہوتی تھی، یہی اسلامی سلطنت کا پایۂ تخت اور قیادت کا اعلیٰ مرکز سمجھی جاتی تھی، جہاں سے تبلیغی احکام اور اسلامی قوانین تمام جگہ نافذ کرائے جاتے تھے، اسی مقام پر سیاسی تدابیر اور فوجی احکام کو روبہ عمل لایا جاتا تھا، اسی میں وفد آیا کرتے تھے اور اسی جگہ تمام کو کتاب و حکمت کی تعلیم سے نوازا جاتا تھا۔

مسجد کی تعمیر بہت ہی سادہ تھی، جو آپ کے اور آپ کے صحابہ کی تواضع پسند طبیعت کے بہت موزوں تھی، ہر وقت آپ لوگوں کے سامنے اسی حقیقت کو بیان فرماتے تھے، کہ حوادث زمانہ پر قابو پانے اور انقلاب روزگار میں فلاح وکامیابی کا دارومدار محض روحانی قوت اور اخلاقی اصولوں پر ہے، یہ چیز شاندار عمارتوں اور شان وشوکت کے مظاہرہ سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

اس چھوٹی سی مسجد کے ذریعہ رفتہ رفتہ ایک ایسے اسلامی ادارہ کی تشکیل عمل میں آتی ہے، جو تمام جزیرۂ عرب پر مستولی ہو جاتا ہے، روم اور ایران کی بڑی بڑی سلطنتیں اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتی ہیں اسی مسجد میں مناسب اوقات واحوال میں مختلف تدبیریں اور حیلے سوچے جاتے ہیں، لیکن جو انقلابی طریقہ کار اختیار کیا گیا تھا اور جس شاندار اصول کو پیش نظر رکھا گیا تھا، وہی آگے چل کر حکومت الٰہیہ کی وسعت وتشکیل کا پیش خیمہ اور انسان کے عظیم الشان اصلاحی قوانین کی تمہید ثابت ہوا، ان تدابیر کی وجہ سے مدینہ مسلمانوں یہود ومشرکین الغرض عرب وعجم کے مختلف ومتضاد قبائل وطبقات کا وطن قرار پا گیا۔

پہلے ہی مرحلہ میں وطنیت کا مفہوم ذہن نشین کرا دیا گیا، کہ لوگ بلا تفریق حسب ونسب اور بلا امتیاز عصبیت ونسل وقوم ایک ہی نظام میں مربوط جملہ حقوق اور احکام وقوانین میں مساوی درجہ رکھتے ہیں۔

آنحضرت ؐ نے مختلف اقوام وادیان کے لوگوں کے لئے ایک

جدید وطنی دستور بنایا، جس میں تمام کو وطنی قرار دے کر ان پر یہ امور عائد کر دیئے کہ ملک کی ہر قسم کی مدافعت ان پر لازمی ہے، وہ صلح و جنگ کے ذمہ دار ہیں، اپنے غیر کی مدد نہیں کر سکتے، اہل وطن کے خلاف خواہ ان کے رشتہ دار، باپ اور اولاد ہی کیوں نہ ہوں، امداد بہم نہیں پہونچا سکتے آپ نے اہل وطن کے مالوں، جانوں اور ان کی آبروؤں کی حفاظت کا ذمہ لیا اور ان کو عقیدہ و مذہب کے معاملات میں آزادی دے دی۔

اِس دستوری صحیفہ کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خط پیغمبر محمدؐ کی جانب سے قریش و یثرب کے مومنوں، ان کے پیروکاروں، رشتہ داروں، اور مجاہدوں کے لئے لکھا جاتا ہے، اور ان کو آگاہ کیا جاتا ہے، کہ وہ سب ایک ہی پارٹی اور جماعت ہیں، جو یہود ہماری اِتباع کریں ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کیا جائے گا، ان کی مدد کی جائے گی، اور ان کے خلاف کوئی سازش نہ کی جائے گی، بنو عوف کے یہود مسلمانوں کے ساتھ ہیں، مسلمان اپنے دین پر قائم رہیں اور ان کے جو غلام ہیں وہ انہی کے ہیں، یہودیوں کے لئے ان کا دین ہے، باقی رہے، وہ یہودی جنھوں نے معاہدہ کیا ہے ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ اور سلوک کیا جائے گا، جو بنو عوف کے ساتھ کیا گیا ہے، یہودیوں اور مسلمانوں کو آپ اپنے نفقات و مصارف برداشت کرنے ہونگے،

جو لوگ اہل صحیفہ کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ ہوں،
تو یہودیوں کا فرض ہے، کہ ان کے خلاف ہر قسم کی امداد
بہم پہونچائیں۔ اُن کے ساتھ ہر قسم کی بھلائی، احسان
اور حسن سلوک روا رکھا جاتا ہے، مدینہ کے حدود اہل
صحیفہ کے لئے حرام ہیں، اپنے ہمسایہ کو اپنی طرح سے سمجھنا
چاہیئے، اِس پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے، نیز اُسے کسی
طرح کا نقصان بھی نہ پہونچایا جائے، اہل صحیفہ کے درمیان
ایسے اختلافات اور مناقشات برپا ہو جائیں جن سے
فتنہ و فساد کے پھیلنے کا اندیشہ ہو، تو ان کو فیصلے کے لئے
اللہ عز و جل اور محمدؐ رسول اللہ کے حوالے کر دینا
چاہیئے۔"

اس جدید دستوری صحیفہ کی وجہ سے مدینہ کی حکومت کی زمام آنحضرتؐ
کے ہاتھوں بلا قصد و مطالبہ چلی آئی، عہد و پیمان شکنی کی صورت میں ایک
حکم کی ضرورت لاحق ہوا کرتی، لیکن آپ ہی حکم مقرر ہوتے، چنانچہ اسی
وقت سے اسلامی حکومت کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا۔

آنحضرتؐ نے پہلی مرتبہ بلاد عربیہ میں امت کے حق کو قبیلہ کے حق
پر ترجیح دی اور تمام حدود و احکام کا دار و مدار اللہ کی شریعت اور اس
کے پیغامبر پر رکھا، اس وقت عصبیت جاہلیہ کا طوفان بہت زور شور پر
تھا، جس کی رَو میں مجرم و غیر مجرم، گنہگار و نیکو کار تمام بہ رہے تھے، اسلئے
آپ نے جابر و متکبر قوموں میں تمدن کا تخم بویا اور اسلامی جمہوریت کی
تشکیل کی، جو صدیوں تک دنیا پر حکمران رہی۔

آنحضرت نے اپنی بصیرت افروز عقل اور ذہن رسا سے معلوم کر لیا، کہ اولاً مدینہ کے لئے اور ثانیاً تمام عالم کے لئے جو نظام آپ قائم کرنا چاہتے ہیں، وہ اس سرکش و باغی قوم میں، جو فتنہ و فساد میں مبتلا و عصبیت کے پنجوں میں گرفتار رہنے محض دستوری صحیفہ سے جاری نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس دعوت کی حمایت اور اپنے نظام کی حفاظت کے لئے، جس کے قوانین و اصول صحیفہ میں مقرر کئے گئے ہیں، اور ان تمام عہد و پیمان کی نگرانی و پابندی کے لئے جن سے وطن کا ایک نیا دستور تشکیل پذیر ہوا ہے قوت و طاقت اور عسکری تنظیم کی ضرورت ہے، یہ قوت صرف اُن مہاجرین کے ذریعہ نشو و نما پاتی ہے، جنھوں نے اپنے پرانے نظام سے بھاگ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی، یہی لوگ سب سے پہلے آنحضرتؐ کے لائحہ عمل کی حفاظت اور نظام حرّیت کی حمایت کے علم بردار ہوئے جیش محمدی کی ترتیب و تنظیم مہاجرین و انصار کے افراد سے ہوئی، انھوں نے دعوت اسلامی کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کیا، اور آپ کے ہر اشارہ پر جاں نثاری کا ثبوت دیا، قریش اور دیگر قبائل میں سے سوائے مہاجرین اور انصار کے کوئی اور قوم اس جدید نظام کی حمایت میں بطور سند کے نہیں پیش کی جاسکتی، انصار تو قریش کے دشمن اور حریف تھے۔

اہل مدینہ کے درمیان کینہ و عداوت اور بغض و منافرت کی جو چنگاریاں بھڑک اٹھی تھیں، قریب تھا، کہ وہ آنحضرتؐ کی ظہور قدسی سے پیشتر قبیلۂ اوس کے وجود کا خاتمہ کر دیں۔

مہاجرین اور انصار کے اس لشکر کی باہمی ترتیب و تنظیم، اُن کی تعلیم و تربیت سے ان کو ایک رشتہ میں منسلک کرنا، ان کو دعوت و تحریک

اسلامی کی تائید اور اطاعت و ایمان کے لئے تیار کرنا، یہ آنحضرت ؐ ہی کا حصہ تھا، جس میں آپ کی عسکری شان نمایاں طور پر نظر آتی ہے، سب سے زیادہ تعجب اور حیرت کا مقام تو یہ ہے کہ آپ کو مدینہ پہونچے ہوئے ابھی چھ ماہ کا عرصہ نہیں گزرتا، کہ اس درمیان میں ایک ایسے لشکر کی تنظیم کرتے ہیں، کہ دو سال ہی کی مدت میں بدر کے میدان میں، باوجود دشمن کی قوت وطاقت سامان واسلحہ کی زیادتی اور بڑے بڑے سورماؤں کی شہرت کے، ان کی تین گنی فوج پر غلبہ وتسلط پالیتے ہیں، اور دنیائے آپ کے اس نظام کے معجزہ کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیا اور بدر کی شکست کے بعد یہ روشن ہوگیا، کہ بت پرستوں کے قدم ڈگمگا گئے، نہ صرف یہی بلکہ کچھ عرصہ کے اندر آنحضرت ؐ کا یہ اسلامی لشکر فرانس اور ہندوستان تک فاتحانہ شان سے داخل ہوجاتا ہے جب آنحضرت ؐ نے دیکھا، کہ قبیلۂ اوس آپ کی دعوت وتبلیغ کی راہ میں حائل اور مدینہ میں عصبیت کی آماجگاہ ہے، تو پہلے اس کو اخوت کی طرف بلایا، قریش اور اوس وخزرج کے مابین بھائی چارہ اور برادرانہ تعلقات پیدا کرا دیئے، حتیٰ کہ اس کا اثر تیزی کے ساتھ مختلف قبیلوں اور خاندان میں سرائت کرگیا، جس نے تمام کو انسانیت واخوت کے اعلیٰ مقام پر فائز کردیا۔

یہ مواخات اور بھائی چارگی، جس کی اکثر حکایات اور بیشتر واقعات تاریخ وسیر میں تفصیل کے ساتھ ملتے ہیں، جن میں ناموں اور نسبوں کی طول طویل فہرست ہے، امت اسلامیہ کی تنظیم وجمعیت اور اسلامی فتح ونصرت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

ابوسفیان فتح مکہ کے دن اسلامی فوج کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

جب ایک فوج پر سے گزرتا تو کہتا یہ کون لوگ ہیں؟ جواب دیا جاتا یہ سلیم کی فوج ہے یہ مزینہ کی، یہ فلاں کی۔ مگر کوئی اس کی نظروں میں نہ جچتا، یہاں تک کہ ان کے ہی بھائیوں کا ایک لشکر نمودار ہوا، اس نے حضرت عباس رضؓ سے جو اس کے ساتھ تھے، پوچھا یہ لوگ کون ہیں؟ آپ نے کہا یہ مہاجرین اور انصار کی فوج ہے، ابوسفیان نے کہا کل تک تو ان کی کوئی قوت اور طاقت نہ تھی، اے ابوالفضل خدا کی قسم تمہارا بھتیجہ آج ایک بڑے لشکر کا مالک بن گیا ہے۔

یہی وہ اخوت ہے، جس کو آنحضرتؐ نے قوموں اور قبیلوں کے درمیان عصبیت جاہلیت کو دور کر کے برادرانہ تعلقات کی اسپرٹ پیدا کر دی تھی، جس نے امت عربیہ کو نفاق و شقاق سے نکال کر شاہراہ اتحاد پر گامزن کر دیا، اور نظام جمہوریت کی ایسی تشکیل کی، جو تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے۔

آنحضرتؐ بلا شک و شبہ مفکر اعظم تھے، آپ نے اپنی بصیرت کی روشنی میں مشاہدہ کر لیا، کہ مدینہ میں امن قائم کرنے کے لئے یہاں کے مسلمانوں اور یہودیوں کے مابین حریت کی ضمانت کے لئے محض ایک دستوری صحیفہ اور مدینہ کے داخلی نظام کی حفاظت کی ذمہ داری کے لئے مسلمانوں کے درمیان محض مواخات و برادرانہ تعلقات کافی نہیں ہیں، تا وقتیکہ مدینہ جزیرۂ عرب کے مشابہ نہ ہو جائے، جس میں مشرکین کی اجازت کے بغیر داخلہ ناممکن ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ نے اس پیچیدہ معمہ کو کس طرح حل کیا اور اس مہلک مرض سے کس طرح نجات حاصل کی، پھر کیوں کر مدینہ پر جزیرۂ عرب کے قواعد نافذ کر دیئے اور کس طرح چند ہی سال کے اندر یہاں اسلامی جمہوریت

و ریاست کی تشکیل ہوئی۔

آپ نے مدنی زندگی میں دو طریقے اختیار کئے، ایک وہ جس کو دیگر ادیان کے بعض مصنفوں اور بعض تنگ نظر وسطح بین اشخاص نے سمجھا ہے یہ ہے جب ان کو زندگی کی دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرنا پڑتا ہے تو وہ درماندہ و عاجز ہو جاتے ہیں، دوسرا طریقہ وہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے منتخب فرمایا تھا، جس کو آپ نے اپنے قول و فعل کے ذریعہ ظاہر کر دیا۔ پہلا طریقہ خاموش اور پر اسرار تھا، دوسرا عملی میدان میں مظاہرہ کرنے کا تھا، پہلے طریقہ میں جس طرح آپ نے مکہ میں وعظ و نصیحت کی، مدینہ میں بھی تبلیغ و دعوت کے فرائض انجام دیتے رہے، مدینہ میں ان لوگوں پر اعتماد کیا، جنھوں نے آپ کی حمایت کا معاہدہ کیا تھا، قریش اور مدینہ کے اطراف کے اعراب کی کارروائیوں اور عملی اقدامات پر نگرانی فرماتے رہے، انھیں اس بات سے آگاہ کر دیا، کہ اگر وہ آپ سے حسن سلوک سے پیش آئیں اور آپ سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں، تو ان کا یہ رویہ سراسر بھلائی پر محمول ہوگا، اگر وہ آپ کی حمایت اور راہ حق میں مارے جائیں، تو ان کے لئے شہادت کا ثواب اور آپ کی امداد کا فخر حاصل ہوگا۔

آپ کی عملی کارروائی یہ تھی، کہ جب آپ نے اندیشہ کو پایا، تو اسکی مدافعت اور اپنی دعوت میں ہمت و استقلال کے ساتھ قائم رہے اور اس راہ کی تمام مشکلات کا مقابلہ کیا، یہاں تک کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے، جو لوگ آپ کے پاس پناہ لینے کی خاطر آئے آپ نے ان کو امداد پہونچائی، اور جن لوگوں نے ہجرت کی، ان کے فضل و شرف اور مرتبہ کو

بڑھا دیا۔

آنحضرتؐ ان واعظین وقائدین میں سے نہ تھے، جو اپنی زندگی لوگوں کو بھلائی کا حکم کرنے اور خود اس پر عمل پیرا نہ ہونے میں گزارتے ہیں، آپ اپنی رسالت ونبوت اور بے نظیر بہادری کے مطابق ایمان اور عمل صالح کی زندہ تصویر تھے؛

آپ کے مدینہ میں آنے کی غرض وغایت یہ نہ تھی، کہ کوئی گرجا تعمیر کردیں اور یہودیوں اور مشرکین سے اپنی حمایت طلب کریں، آپ کی طبیعت کا تقاضا یہ تھا، کہ آپ حق بات کہنے میں خاموشی کے طریقہ کو چھوڑکر اِنقلابی روش اِختیار کریں۔

بعض اہل مدینہ نے آپ پر ایمان لاکر آپ کی امداد کی اور مشرکین نے بھی مکہ پر غلبہ حاصل کرنے کی حرص وتمنا میں اور مدینہ کے بازاروں میں اپنی تجارت کو فروغ دینے کی ہوس میں آپ کا ساتھ دیا، مدینہ میں یہود اِس زعم میں مبتلا تھے، کہ وہ اللہ کے خاص چہیتے اور لاڈلے ہیں ان کے سوائے کسی اور کو اللہ تعالیٰ نبوت سے نہیں سرفراز کرسکتا، ان کی بھی یہ تمنا، اور آرزو تھی، کہ آنحضرتؐ کے ذریعہ عرب پر غلبہ حاصل کریں اور اپنی دعوت دین کو پھیلائیں۔

مدینہ میں مہاجرین پہلی ہی مرتبہ بخارِ یثرب میں مبتلا ہوگئے، اس سے انھوں نے اپنی عورتوں کے بانجھ ہوجانے کا شگون بدلیا، زبیرؓ کی بیوی کے جب بچہ پیدا ہوا، تو اس وقت جشن منایا گیا، ان لوگوں نے مکہ میں اپنی جائیدادیں اور اموال چھوڑ دیئے تھے، مدینہ آکر فقر و فاقہ میں مبتلا ہوگئے، یہ وہ شفقت آگیں زمانہ تھا، جس میں ایمان اور

عمل صالح کے بغیر قدم لغزش کھا جانے کا اندیشہ تھا، آنحضرتؐ نے اپنی عقل خدا داد اور حسنِ سیاست کے ذریعہ اس پیچیدہ گتھی کو اس انداز سے سلجھایا، کہ یہ خصوصیت کسی مصلح اور فاتح کو کسی دور میں بھی نصیب نہ ہوئی اور نہ ہوگی ۔

ہم نے گزشتہ بیان میں مدینہ کی حالت کا ایک مختصر سا خاکہ کھینچا ہے اور مجمل طور پر یہودیوں کی تمناؤں، مشرکین کے ارادوں اور مسلمانوں کے عملی اقدامات پر روشنی ڈالی ہے، اور ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صؐ کے لئے بغیر عملی اقدام کے کوئی چارہ کار نہ تھا، اب ہم یہاں مدینہ کے اطراف واکناف کے مشرکین اور اہل مکہ کی حالت کو بیان کرتے ہیں، تاکہ آنحضرتؐ کی حسنِ سیاست اور فکر و تدبر کا اندازہ ہوسکے ۔

لوگوں کا خیال ہے، کہ مکہ ایک خشک سرزمین اور بے آب وگیاہ مقام ہے، جہاں میوں اور غلوں کا نام ونشان نہیں، ایک وادی ہے جس میں کاشت نہیں کی جاسکتی، لیکن بہت کم افراد اس سے واقف ہیں، کہ دعوت اسلامیہ کے ظہور کے وقت مکہ تمام بستیوں میں ایک خوش حال مقام تھا، بلکہ قدیم زمانے میں بہت بڑی تجارتی منڈی کی حیثیت رکھتا تھا، قریش اس کے اندر اپنی تجارت کا بیشتر حصہ کیا کرتے اور وہ بہت بڑے تاجر تھے، یہ لوگ اپنے اطراف واکناف کی قوموں کے احوال سے بخوبی واقف تھے، ان کی ترقی وخوش حالی کا تمام تر دارومدار سیر وسیاحت اور خانہ بدوشی پر تھا، انھوں نے اپنے وطن کو چھوڑ کر دور دور ملکوں میں تجارت کی غرض سے سفر کرنا شروع کیا، چنانچہ تاریخ سے یہ امر واضح ہوتا ہے، کہ ترقی کا اصلی راز

تجارت اور سیر و سیاحت میں مضمر ہے، قدیم زمانے کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے، کہ فنیقیہ کے باشندوں نے اسی تجارت و سیاحت کے ذریعہ کتنی ترقی کی، اور عالم کی جدید تاریخ شاہد ہے، کہ برطانیہ نے کس قدر حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا، ان قوموں کی ترقی کا راز صرف اِسی میں پوشیدہ تھا، کہ وہ اپنے وطن میں زندگی کی ضرورتوں اور اہم حاجتوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے سے عاجز تھے، اِسی وجہ سے ان کو اپنی ضروریات زندگی نے عالم کے دور دور ملکوں میں اپنی کسب معاش کے لئے آمادہ کر دیا، چنانچہ وہ تمام قوموں اور ملکوں سے دولت و سرمایہ میں سبقت لے گئے، یہی حال دعوت محمدیہ کے ظہور کے وقت مکہ کا بھی تھا، یہاں کے لوگ بہت ہی خوش حال اور فارغ البال تھے، اور قدیم زمانے کے نتائج و ثمرات ان کی آسائش کے سامان فراہم کر چکے تھے۔

اِس تجارت کا دائرہ بہت وسیع تھا، تجارت صرف ایک خاندان یا گروہ میں محدود نہ تھی، بلکہ سیرت کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے، کہ ابوسفیان نے جب بدر کے دن اپنے قافلہ پر خطرہ کا اندیشہ محسوس کیا، تو تمام باشندگانِ مکہ کو جمع کیا اور ایک ہزار کا لشکر لے کر نکلا، جس کے ساتھ ایک سو گھوڑے سات سو اونٹ تھے، جب قریش کو بدر کے موقعہ پر شکست فاش کھانی پڑی تو مکہ والے ابوسفیان کے قافلہ کے ساتھ آنحضرت اور آپ کے صحابہ سے اِنتقام لینے کے لئے اکٹھا ہوئے، اِس وسیع تجارت میں مکہ کے منافع کا اندازہ راس المال سے فی صد پچاس کا لگایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے، کہ وہ لوگ اپنے مہمانوں اور تمام جزیرہ کے حاجیوں کی خاطر تواضع اور مہمان نوازی کیا کرتے تھے، اپنے قرابت داروں پر جود و کرم کی بارش برساتے لہو ولعب

شراب نوشی، جوا بازی اور گانے بجانے کی محفلوں وغیرہ میں فضول خرچ کر دیا کرتے تھے۔

نبی اکرمؐ اور آپ کے صحابہ کا مدینہ میں جو حال تھا، اُس کا ذکر ہم نے گزشتہ بیانوں میں کر دیا ہے، مہاجرین، جن کے مال واسباب اور مکانات و باغات وغیرہ مکہ میں چھین لئے جا چکے تھے، مدینہ میں اس طرح خالی ہاتھ آتے ہیں، کہ اُن کے پاس سوائے اساس ایمان اور سرمایۂ اِسلام کے کوئی اور چیز نہیں رہتی، یہی وہ عمیر ہیں کہ ان کو اپنا بدن تک ڈھانپنے کے لئے کپڑا میسّر نہیں ہوتا ہے، یہی علی بن ابی طالب ہیں، کہ ایک یہودی کے پاس اس کے باغ میں مزدوری کرتے ہیں، اور ایک ڈول پانی کھینچنے پر ایک کھجور ملتا ہے، یہی آنحضرتؐ ہیں کہ مسجد کی طرف گھر سے باہر تشریف لاتے ہیں، تو ابو بکرؓ و عمرؓ کو راستہ میں پاتے ہیں اور فرماتے ہیں، تم دونوں کس لئے باہر پھر رہے ہیں؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ ہم کو بھوک نے بے تاب کر دیا ہے اس لئے ہم گھر سے باہر نکلنے پر مجبور ہو گئے، آپ فرماتے ہیں، مجھے بھی بھوک نے بے تاب کر دیا ہے اِسی وجہ سے میں بھی نکلا ہوں۔ آپ نے جب مکّہ چھوڑ دیا تو کیا اس کے سبب سے آپ کی دعوت و تبلیغ کی نشر و اشاعت اور کفر و شرک کی رسوائی و ذلت میں آپ کو کچھ تائید پہونچی؟ ہرگز نہیں بلکہ قریش کے لوگ تو مسلمانوں کو حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے، ان کو اِستہزا اور مضحکہ خیزی کا نشانہ بنا رکھا تھا، قوم کے قوی اور سربرآوردہ افراد کمزوروں اور مرعوب اشخاص کو مکر و فریب میں مبتلا کر کے اپنی طرف مائل کر لیتے، اپنے لات و ھبل کی مدد کے لئے قید کر دیتے اور مسلمانوں کو اذیتیں پہونچا کر خوش ہوتے، کہ انھوں نے لات و عزّیٰ کو رضامند

کر دیا۔

آنحضور اکرمؐ اپنی رسالت کے علم بردار، عالی ہمت، بلند حوصلہ تھے، اور اپنے اصحاب میں سب سے زیادہ نیک اور شجاع ہستی تھے، آپ نے تمام مصائب و مشکلات کو برداشت کیا، ان کی مدافعت میں عملی قدم اٹھایا، قریش کو، ان کی تجارت میں جو ان کے پاس عزیز تھی، سہولتیں بہم پہونچا کر ہدایت پر لانے کی کوشش فرمائی، مدینہ کے اردگرد کے عربوں کو شرک و بت پرستی سے باز رکھا، مدینہ کی ان فتنہ و شر اور عصبیت کی چنگاریوں کو بجھانے میں جن کو یہود اوس اور خزرج اور مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان بھڑکا رہے تھے، کوشش کی اور امن و امان قائم کرنے میں مصروف رہے۔ یہی وہ تین مہتم بالشان اغراض و مقاصد ہیں، جن کو حاصل کرنے کے لئے اولوالعزمی ہمت و استقامت اور تنظیم کی اشد ضرورت ہے، یہ وہ علو ہمتی کا کام ہے، جس میں آنحضرتؐ کو وہ امتیازی کامیابی نصیب ہوئی، جو آپ سے قبل کسی نبی نے حاصل نہیں کی، یہ دور، جس میں مدینہ کی اصلاح، مہاجرین اور انصار کی دینی و تمدنی تربیت اور ان کے ذریعہ سے تمام لوگوں کی مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا، آنحضرتؐ کے لئے حد درجہ آزمائش اور کٹھن مشکلات کا دور تھا، جس میں آپ کو سیاسی تجربہ اور عسکری نظام کی قوت نصیب ہوئی۔

مدینہ پہونچے ہوئے آپ کو ابھی چھ ماہ گزرے تھے، آپ نے پہلا اسلامی جھنڈا عبیداللہ بن حارث کے ہاتھ بلند کرنے کے لئے عطا کیا، اس کے بعد آپ کے غزوات کا سلسلہ برابر جاری رہا، جنگ بدر سے پہلے آپ کے پورے لشکر نے کوئی مادی اور دنیوی فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔

اُنھوں نے تو محض سیاسی اور عسکری اغراض کو، جو استقلال و ثبات قدمی اور سلطنت کے استحکام کے لئے ضروری تھے، کافی طور پر حاصل کر لیا تھا: مہاجرین کے دلوں میں آرزوئیں جوش مارنے لگیں، ان کی باطنی حالت شاندار ہو گئی، اور ان کے بدنوں میں، جو یثرب کی بیماریوں کا شکار ہو گئے تھے، طاقت و توانائی اور شگفتگی پیدا ہو گئی، مسلمان ایک منظم اور متحد طاقت میں عمل کرنے کے عادی ہو گئے تھے، جس میں ان کے حسب و نسب کا کوئی شائبہ نہ تھا بلکہ انھوں نے اپنے دلوں سے عصبیت و جنسیت اور قبیلہ و خاندان کے امتیازی جذبات و احساسات کو مٹا دیا تھا۔

اہل مدینہ نے مسلمانوں کی اس فوجی نقل و حرکت سے محسوس کر لیا، کہ آنحضرت یقیناً اینٹ کا جواب اینٹ سے پتھر کا جواب پتھر سے اور قوت کا جواب قوت سے دینے والے ہیں، ادھر اعراب نے اچھی طرح جان لیا، کہ جو ہستی قریش کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے لشکر کو ساتھ لے کر نکلی ہے، اس کے بازو کسی کے رعب و قوت سے دبنے والے نہیں، اگر آپ میں کچھ ضعف و اضمحلال کے آثار ان کو نظر آتے، تو وہ آپ سے پہلے مدینہ پر چڑھائی کر دیتے اور یہاں کے جانوروں اور چرواہوں کو قتل و غارت کر کے اپنے قصوں اور افسانوں میں نہایت فخر و شان کے ساتھ بیان کرتے، جنھیں ان کی عورتیں تک پڑھتی رہتیں، اسی طرح قریش کو بھی اس کا بخوبی علم ہو گیا تھا، کہ نبی اکرم اور آپ کے اصحاب کو صرف اس بنا پر ان کے گھروں اور وطن سے نکال دیا گیا ہے، کہ وہ اللہ کے دین پر قائم تھے اور اعلاء کلمۃ اللہ کی دعوت دیتے تھے، مدینہ میں اُنھوں نے اپنی اقتصادی زندگی خطرناک اور ردی صورت میں اور دینی زندگی بخوف و خطر

حالت میں گزاری، قریش کو معلوم ہو گیا تھا، کہ آپ ان کی عزیز ترین چیز یعنی تجارت کو ایسا ہی روک دینا چاہتے ہیں، جس طرح سے کہ انھوں نے آپ کی محبوب ترین شئی یعنی عقیدۂ دین کی راہ میں روڑے اٹکائے تھے، اگر وہ تجارت میں آزادی کے طالب و خواہش مند ہیں، تو ان پر ضروری ہے، کہ وہ حریت اعتقاد کا بھی اعتراف کریں، جس کا معاہدہ بدر، احد اور احزاب کی خون ریز جنگوں کے بعد کیا گیا، جو صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔

عسکری تنظیم اور فوجی تربیت مسلسل دو سال تک برابر جاری رہی جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے اندر جنگ کی قدرت، اور معرکہ میں استقامت و استقلال کی صلاحیت کا یقین کر لیا، تو آپ نے عملی قدم بڑھانے میں کوئی پس و پیش نہ کیا، چنانچہ آپ نے میدانِ بدر میں اپنے صحابہ کے ساتھ قریش کے آنے کا انتظار کیا، قریش کثیر ساز و سامان ایک ہزار مسلح لشکر، سو شہ سواروں اور سات سو اونٹوں کے ساتھ نہایت شان و شوکت سے میدان میں اُترے، آپ کے ساتھ صرف تین سو چودہ کا لشکر تھا، جس کے پاس چند تلواریں، تین گھوڑے اور سات اونٹ تھے۔

آپ نے اپنے اطمینان نفس کی خاطر کہ صحابہ میں جنگ کرنے کی کہاں تک استعداد اور اس کا جذبہ موجود ہے، ان سے اس بارے میں رائے دریافت کی، مہاجرین نے سب سے پہلے گفتگو کی اور اپنی بہترین رائے اور اپنی آمادگی کا اظہار کیا، مقداد بن عمرو نے یہاں تک کہا کہ یا رسول اللہ آپ اپنے مقصد کو جاری رکھئے قسم اُس ذات کی، جس نے آپ کو حق پر مبعوث کیا ہے، اگر آپ ہمیں برک غماد (ملک یمن میں ایک مقام ہے) میں بھی جا کر جنگ کرنے کا حکم دیں، تو ہم آپ کی قیادت میں اس کے اُس پار بھی جنگ

کرنے تیار رہیں، رسول اللہؐ نے ان کا شکریہ ادا کیا، پھر آپ نے فرمایا
اے لوگو! مجھے مشورہ دو، گویا آپ کا اشارہ انصار کی طرف تھا، کیوں کہ
آپ کے ساتھ اُن کی بیعت صرف اُس حد تک تھی، کہ آپ جب تک اُن کے
ملک کے حدود میں رہیں، یہ حفاظت کریں گے، اس لئے آپ کو اندیشہ لاحق
ہوا، کہ مدینہ میں اگر دشمن آپ پر حملہ آور ہو، تو شاید اس صورت میں یہ آپ کی
امداد کریں گے، اور اگر ان کے بیرون حدود میں حملہ آور ہو، تو یہ حمایت ان پہ
فرض نہ ہوگی، چنانچہ سعد بن معاذ نے کہا یا رسول اللہؐ! کیا آپ ہماری رائے
پوچھنا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں، سعد نے کہا ہم آپ پر ایمان لائے
آپ کی تصدیق کی، اور شہادت دی کہ جو کچھ آپ لائے ہیں وہ برحق ہیں،
اس پر ہم نے آپ کی اطاعت و پابندی کے لئے عہد و پیمان باندھا آپ
نے جو ارادہ فرمایا ہے یا رسول اللہ! اس کو پورا کیجئے، ہم ہر حال میں آپ
کے ساتھ ہیں قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق پر مبعوث کیا ہے اگر
آپ دریا میں گھسنے کا حکم دیں، تو ہم آپ کے ساتھ اس میں کود پڑنے کے
لئے تیار رہیں، ہمارا ایک فرد بھی اس کے خلاف نہ کرنے پائے گا، ہمیں کبھی
یہ چیز ناپسند نہیں، کہ آپ کل کے دن دشمن سے مقابلہ کریں، ہم آپ سے
عہد کرتے ہیں، کہ لڑائی میں صبر و استقامت سے لڑیں گے، جنگ کے وقت
جواں مردی اور بہادری کے جوہر دکھائیں گے، شاید خدا ہماری وجہ سے
آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک عطا کر دے، آپ اللہ کا نام لے کر ہمارے ساتھ
چلنے کے لئے تیار ہو جائیے۔" آپ حضرت سعدؓ کی اس تقریر سے بہت ہی
خوش ہوئے، آپ نے فرمایا آگے بڑھو اور خوش ہو جاؤ، یہ خوشخبری بھی
سن لو، کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فتح و نصرت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، بخدا

میں قوم کے بچھڑے جانے کے مقامات کو دیکھ رہا ہوں"

جنگ بدر کے دن لشکر اسلامی کی یہ وہ روح تھی، جس نے مہاجرین وانصار کے دلوں میں اپنے جذبات کو ظاہر کرنے کی آمادگی پیدا کر دی، ان کے نفوس بادۂ ایمان سے لب ریز اور ان کے قلوب تنظیم و اتحاد کی طاقت سے صیقل شدہ تھے، بطل اعظم کی دور اندیشی اور عقل و بصیرت کی یہ روشن دلیل ہے، کہ آپ مشورہ و وفاداری کو ملحوظ رکھتے ہیں، آپ کے مشورہ کا ثبوت یہ ہے کہ آپ لوگوں سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ مشورہ دیں، حالانکہ آپ بخوبی جانتے تھے، کہ اگر آپ ان کے ساتھ دریا میں گھس پڑیں یا غار میں کود پڑیں تو یہ ہرگز آپ کی مخالفت نہ کریں گے، آپ کا ادب اور پاس وفاداری یہ ہے، کہ آپ انصار سے اجازت طلب فرماتے ہیں، کیوں کہ ان سے اس سے قبل ایسی جنگ کے لئے بیعت نہیں لی گئی تھی۔

جب معرکہ آرائی کی گھڑی آپہونچی، تو ایک قلیل گروہ نے ایک بہت بڑی تعداد پر فتح پائی، آنحضرت کا لشکر ان دو ظاہری اصول کی وجہ سے غالب رہا پہلا اصول تنظیم و اتحاد کی قوت اور دوسرا موت کو حقیر سمجھنا، لوگوں نے بدر کے دن اس نظام کے معجزہ کو مشاہدہ کر لیا، جب کہ مشرکین کے لشکر نے مضبوط اور مستحکم صفوں پر دھاوا بول دیا، اور ان کو ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹا سکے، اور ایسی ثابت قدمی اور استقلال کے جوہر دکھائے، جو اس سے پیشتر شاید ہی سننے میں آئے ہوں، لوگوں نے غزوۂ بدر میں اس امر کو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، کہ تین سو آدمی، جن کی آنحضرت نے تربیت و تنظیم فرمائی تھی، قلیل مدت کے اندر روئے زمین کو، خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے، فتح کر لیتے ہیں اور سیاہ و سفید اور سرخ و زرد کے مالک

بن جاتے ہیں، جنگ بدر کے خاتمہ کے بعد تمام دنیا نے معلوم کرلیا، کہ تنظیم و اتحاد اور موت کو حقیر سمجھنے کے اندر کس قدر زبردست قوت پوشیدہ ہے، پھر اس کے بعد جنگ احزاب میں بھی لوگوں نے اندازہ کرلیا، کہ ایک وہ قوم، جو اپنی زندگی سے زیادہ حق سے محبت رکھتی ہے، کس طرح فتح یاب ہوجاتی اور تنظیم کی بدولت ایک بہت بڑے لشکر پر غالب آجاتی ہے، واقعہ خندق میں منافقین کی قلعی کھل گئی، یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد و پیمان کو توڑ ڈالا، لیکن آنحضرت ؐ کے لشکر کی تنظیم و ترتیب میں کوئی خلل اور آپ کی زیر قیادت استقلال و استقامت میں کوئی لغزش واقع نہ ہوئی، یہ سب آپ کی عقل و تدبیر اور صبر و شجاعت کے بہترین نتائج تھے کہ مشرکین کی جماعتیں مدینہ سے تاریک رات میں واپس لوٹ گئیں، ان کا شیرازہ منتشر اور ان کی قوتیں تتر بتر ہوگئیں۔

آنحضور اکرم ؐ کی یہی وہ سچی قیادت اور پیشوائی تھی، جس نے مدینہ کو جنگ اُحد میں نجات دلائی، اور آپ نے اُس وقت اقدام میں تیزی سے کام لیا، جب کہ آپ کا لشکر دشمن کے مقابلہ سے عاجز ہوگیا تھا، اگر آپ اپنے لشکر کے ساتھ جس میں تنظیم و اطاعت کی طاقت پیدا ہوچکی تھی، عجلت نہ فرماتے، تو قریش کی قوم مدینہ پر دھاوا بول دیتی اور مسلمانوں کے باقی ماندہ لشکر کا بھی خاتمہ کردیتی، یہی وہ اعلیٰ قیادت ہے، جس نے قریش پر غلبہ پالیا اور ایک ایسا دن آیا، جس میں ہزیمت خوردہ لوگ فتح مندوں کی پیروی کرنے لگتے ہیں۔

یہ بعض حقایق و واقعات ہیں، جن کو ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے، جو تاریخ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ پائے جاتے ہیں،

ان سے ظاہر ہوتا ہے، کہ آنحضرت کی جلالت و منزلت ایک بادشاہ اور سیاست داں ہونے کی حیثیت سے کیا تھی، اور آپ کے اندر قیادت کی قوت کہاں تک کارفرما تھی۔

تعجب و تحیر خیز امر تو یہ ہے، کہ اس عسکری نظام و ترتیب سے اور واقعات وغزوات، تدبیر و تدبرا و رمشورہ ورائے سے، جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، اسلامی سلطنت کی تشکیل عمل میں آتی ہے، جو مقصود بالذات نہیں تھی، جس نے تاریخ عالم میں جمہوریت و ریاست کے لئے سنگ بنیاد قائم کیا،

اب ہم پوری بحث کا خلاصہ مختصر طور پر یوں بیان کرتے ہیں کہ ہرگز اس بات کا شبہ نہیں کیا جاسکتا، کہ سلطنت و حکومت آنحضرت کی حقیقی غرض و غایت تھی، بلکہ یہ ایک ضمنی اور عرضی شئے تھی، اور یہ ایک ذریعہ تھا شرک و بت پرستی کو دور کرنے کا، وسیلہ تھا خدائے وحدہٗ لا شریک کا کلمہ بلند کرنے کا، تدبیر و صورت تھی تبلیغ و دعوت کی نشر و اشاعت کی، کیونکہ مکہ والوں نے مسلمانوں پر حد درجہ مظالم ڈھائے اور ان کو بے جا اذیتیں اور تکلیفیں پہونچائیں، جب ان کے انسداد کے لئے آنحضرت کی تمام جد و جہد رائگاں گئی، اسلامی عقیدہ کی آزادی دشوار اور اس کے معتقدوں اور پیروکاروں کی زندگی دوبھر کر دی گئی اور دعوت و تبلیغ کی راہ میں ایک خلیج حائل ہو گئی تو آپ قوت کا جواب قوت ہی سے دینے کے لئے مجبور ہو گئے، اور آپ کو آزادی کامل کا مطالبہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، اس طرف قرآن مجید کے فصیح و بلیغ انداز میں اشارہ فرمایا ہے:۔

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم بعضٍ لھدمت صوامعُ وَ	اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعضے آدمیوں کو بعضوں کے ذریعہ سے

مشہور و ممتاز تھی، جزیرۂ عرب میں دینی سرداری ان ہی کو حاصل تھی جس سے وہ ہر دشوار گزار مرحلہ میں فائدہ اٹھاتے تھے، اس کے ساتھ ساتھ مکہ میں ان کا اثر و اقتدار بہت کافی تھا، جس سے وہ ہر وقت لشکر کو تیار کر کے اس سے حتی الامکان کام لیتے تھے، الغرض جس طرح ان کے ہاتھوں میں دینی سرداری تھی اسی طرح فوجی قوت و اقتدار بھی ان کے قبضہ میں تھا، رسول اللہ صلعم کی تمامتر کوشش یہ تھی کہ اس فوجی قوت کو قریش کے ہاتھوں سے سلب کر لیں تاکہ تمام جزیرۂ عرب آپ کا مطیع و منقاد ہو جائے۔"

رسول اللہ صلعم کے تیرہ سال کے تلخ تجربات کے بعد جو ان کو متواتر اور مسلسل اپنے دین کی طرف صلح جویانہ طریقہ سے دعوت کے سلسلہ میں پیش آئے، سوائے اس کے کہ آپ قریش کی فوجی قوت کا اپنے اعتقاد کی آزادی کے لئے مقابلہ کریں، ان سے خاموش رہنا آپ کے لئے ناممکن اور دشوار تھا، غزوۂ بدر صرف ایک سطحی اور عرضی چیز نہیں تھی، اور نہ اس سے واقعتاً قریش کے قافلہ پر غلبہ حاصل کرنا مقصود تھا، بلکہ اس سے اصلی غرض و غایت اور مطمح نظر یہ تھا کہ قریش کی اس جنگی قوت و طاقت پر قابو پالیں جس پر ان کو فخر و اعتماد تھا، رسول اللہ صلعم کو پہلے ہی سے یہ بات معلوم تھی کہ آپ کے اصحاب کے اندر آپ کے پیدا کردہ متحدہ نظام اور ان کے دلوں میں آپ کی پھونکی ہوئی باطنی روح کے ذریعہ راہ خدا میں قربان ہونے کے جذبات و کیفیات پیدا ہو گئے ہیں، جن سے وہ پہلی جنگ میں منظم ہو کر عربوں کے ساتھ مردانہ وار مقابلہ کر سکتے ہیں، اگر آپ کا مقصد یہ نہ ہوتا بلکہ محض قریش سے جنگ کرنا ہوتا تو آپ قریش کے اس قافلہ پر دھاوا بول دیتے جو شام کی طرف سے کوچ کرتے ہوئے آیا کرتا تھا، آپ کے لئے یہ کوئی مشکل کام

نہ تھا، کیونکہ جنگ مکہ سے باہر ہوئی، لیکن آپ نے اس وقت تجارتی قافلہ کا قصد نہیں فرمایا، بلکہ آپ کی خواہش یہ تھی کہ قریش کے لشکر کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔

آنحضرتؐ قریش سے جنگ کرنے کے لئے میدانِ بدر میں ایسے بے سروسامان لشکر کے ساتھ بڑھے، جن کے پاس اِس قدر ساز و سامان نہ تھا جتنا کہ ان کے فریق کے پاس تھا، آپ کے لشکر میں ایک روایت کے مطابق دو شہسوار اور دوسری روایت کے مطابق تین شہسوار سے زیادہ نہ تھے، ان کے پاس سوائے تلواروں کے ٹکڑے تھے، اور نہ ہتیار، بلکہ اِس قدر اونٹ بھی نہ تھے جن پر سواری کر سکیں اور ان پر سامان لاد سکیں، بخلاف اس کے قریش اپنے ساز و سامان میں کئی گنا بڑھے ہوئے تھے، ان میں ایک سو شہسوار تھے، اور ان کی پیدل فوج آنحضرتؐ کے اصحاب سے کئی گنا بڑھ کر تھی، ان کے پاس اِس قدر اونٹوں کی کثرت تھی کہ اگر وہ روزانہ دس بھی اپنے کھانے کے لئے ذبح کرتے تب بھی کافی ہو سکتے تھے، اس وقت ان کے پاس ہر قسم کے آلات و اسلحہ اور جنگی ساز و سامان موجود تھے، ان کے اندر جنگی اِستعداد خصوصاً اِس معرکہ میں کافی طور سے پائی جاتی تھی، لیکن آنحضرتؐ کے اصحاب کے نزدیک تین ایسے عظیم الشان اصول تھے، جن کی وجہ سے انھوں نے اپنے ساز و سامان اور لشکر کی کمی کے باوجود کوئی پروا نہ کی، وہ تین اُصول یہ تھے:

(۱) تنظیم :- محمد صلعم نے ان کی جو تربیت و اصلاح کی خواہ وہ مختلف مظاہر و احوال کی شکل میں ہو یا عبادت کی صورت میں، یا عقیدۂ توحید میں یا عمل صالح میں، یا دنیا و آخرت پر مساوی طور پر ایمان لانے میں، یا اپنی

زندگی کو راہ حق میں قربان کر دینے کی صورت میں اور اپنے خاندان اور اہل وعیال سے تعلق رکھنے میں غرض کہ ہر حالت میں ہر طریقہ سے ان کی اِصلاح فرمائی، اِس طرح ان کے دِل اِطاعت رسول اور ان کے حاکموں کی اِطاعت وفرمانبرداری میں ڈوبے ہوئے تھے، اس تربیت واِصلاح نے ان کے اندر ایک حیرت انگیز نئی قوت پیدا کر دی جو اس سے پہلے عربوں کے وہم وخیال میں بھی نہ گزری تھی، یہ اسی تنظیم و اِتحاد اور اجتماعیت کی قوت کا نتیجہ تھا کہ جس نے مسلمانوں کے لشکر کو مشرکین کی زبردست فوجوں پر فتح اور کامیابی نصیب کی۔

(۲) ایک باطنی اور روحانی قوت، جس نے ان کے دلوں میں اِسلام کی محبت کو بھر دیا تھا، کیونکہ وہ لوگ مشرکین کے خلاف قیامت پر ایمان رکھتے تھے، اِسی وجہ سے انھیں معلوم تھا کہ موت محض فناء مطلق کا نام نہیں ہے، بلکہ مرتبۂ شہادت کے ساتھ ساتھ ایک جاودانی اور بہترین زندگی ہے جو دنیوی زندگی سے بدرجہا افضل اور برتر ہے۔

ایک سولہ سالہ نوجوان نے مسلمانوں کے لشکر میں آنحضرت ؐ کو مسلمانوں کو جنگ پر ترغیب دیتے ہوئے اور ان کو جنت کی خوشخبری اور وعدہ سناتے ہوئے سنا تو کہا " اب تو میرے اور جنت کے درمیان صرف یہی کھجور حائل ہیں، یہ اس وقت کھجور کھا رہا تھا اس نے ان کو پھینکدیا اور مشرکین کی صفوں میں اپنی تلوار لیکر گھس پڑا اور جوانمردی اور بہادری سے مقابلہ کرتا رہا، یہاں تک کہ وہ اس میں شہید ہوگیا۔

(۳) تیسرا اُصول وحدت قیادت ہے، مسلمان اپنے امیر اور قائد کی اطاعت اور اخلاص کیشی میں فنا ہوجانے میں ممتاز تھے، یہ وہ

تین اُصول ہیں جن کی وجہ سے مسلمانوں نے ایک عظیم الشان اِنقلاب برپا کر دیا، ان کی قوتیں کئی گنا بڑھ گئیں۔

ہم یہاں دورانِ جنگ کے حالات بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلعم صفوں کو درست کر رہے تھے، ایک شخص صف کے کچھ باہر نکل گیا، آپ نے اس کو دھکا دیا، اس شخص نے کہا یا رسول اللہ آپ نے مجھے تکلیف دی، میں اس کا بدلہ آپ سے لونگا، آپ نے اپنے شکم مبارک پر سے کپڑا ہٹا دیا اور فرمایا اپنا بدلہ لے لے اس شخص نے حضور کے شکم مبارک کا بوسہ لے لیا، نبی کریم نے فرمایا ایسا کیوں؟ اس نے کہا میں نے چاہا کہ میری زندگی کا خاتمہ اِسی پر ہو جائے۔

یہ وہ اہم اسباب ہیں جن سے مسلمانوں کو، باوجود اسلحہ و سامان جنگ کے فقدان اور لشکر کی کمی کے حیرت انگیز کامیابی نصیب ہوئی، یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ قریش کے اندر باطنی قوت اور اِتحاد و تنظیم کی طاقت مفقود تھی، بلکہ ان کے پاس ایک کامِل نظام موجود تھا جس پر ان کو فخر و ناز بھی تھا، اپنی عسکری طاقت کی حفاظت ابن حضرمی کے قتل سے اِنتقام کی رغبت، اپنی آزادی تجارت کے عزم و حفاظت اور تجارتی راستوں کی سلامتی وغیرہ کی وجہ سے ان کے اندر بھی بہادری اور عزیمت کے جذبات پیدا ہو گئے تھے، ان تمام اسباب نے ان کو مردانہ وار مقابلہ کرنے پر آمادہ کر دیا تھا یہاں تک کہ ان میں سے ایک شخص نے جو مسلمانوں کے لشکر کے درمیان، حوض تک جانے کی قسم کھائی، یہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کا ایک پاؤں کٹ گیا تب بھی وہ اپنے آپ کو حوض تک پہنچایا اور اپنے دوسرے پاؤں سے اس کے ایک جز کو گرا دیا جب ابوجہل زخمی ہو گیا تو مسلمانوں میں سے

ایک شخص اس کے پاس گیا، وہ حالت نزع میں دم توڑ رہا تھا، اس شخص نے اپنا پاؤں اس کی گردن پر رکھکر کہا اب تو تو نے دیکھ لیا کہ خدا نے تجھے کس طرح ذلیل و رسوا کیا، اس نے جواب دیا، اس میں رسوائی کی کونسی بات ہے، کیا قتل ہو جانے سے مجھے کوئی عار ہے، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ قریش کی عسکری قوت کہاں تک بڑھی ہوئی تھی، اور پھر اس کے مقابلہ میں اسلامی لشکر کی ہمت اور قوت اور بہادری کس حد تک تھی۔

معرکہ آرائی کی کیفیت یہ تھی کہ اسلامی لشکر شمال سے جنوب کی طرف بڑھا، جب بدر کے مقام میں پہنچا تو اس کی داہنی طرف (میمنہ پر) اونچے اونچے ٹیلوں کا ایک سلسلہ تھا، اسی طرح اس کے بائیں جانب (میسرہ پر) کچھ بلندی پر دوسرا سلسلہ تھا۔

کفار کے لشکر کے سامنے ریت کے ٹیلے تھے جو وادی بدر کی مغربی جانب واقع تھے، اور اس کے دائیں طرف سخت اور کچھ بلند زمین تھی۔

ان چھوٹی پہاڑیوں اور ٹیلوں کے درمیان کی نرم زمین میں فریقین میں مڈبھیڑ ہوئی، معرکہ کی پہلی رات زوروں سے جاڑا تھا قریش کی اس جانب زوروں سے بارش پڑی اور مسلمانوں کے اس طرف بہت کم بارش ہوئی، جس سے قریش کا لشکر آگے میدان بدر میں بڑھ نہ سکا۔ جب صبح ہوئی تو آفتاب مشرق سے کفار کے سامنے نمایاں ہوا جو اُن کے لئے بہت ہی زیادہ تکلیف کا باعث بنا کیونکہ اُن کا رُخ مشرق کی طرف تھا۔

دونوں فریق میں ایک گھمسان کی لڑائی ہوئی، شہسوار صفوں میں پیش قدمی کرتے تھے، اور باہم زور آزمائی ہوتی تھی، ادھر بنو ہاشم میں سے

تین بہادر سپاہی آگے بڑھے، ادھر مشرکین کے تین سرداروں نے ان کا مقابلہ کیا، چند ہی لمحات میں مسلمان ان کے لشکر میں گھس پڑے، یہ جنگ کے شروع ہونے کی بہترین تدبیر تھی، جس کا رسول اللہ صلعم نے حکم دیا تھا، اسلامی لشکر کو حکم دیا کہ وہ اپنی جگہ پر استقامت سے کھڑے رہتے، ایک قدم بھی آگے یا پیچھے نہ ہو اور دشمن کے لشکر پر تیر پھینکتے رہے، قریش نے پہلی ہی مرتبہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ معدودے چند پیدل اشخاص کس طرح بے خوف و خطر شہسواروں کا مقابلہ کر رہے ہیں اور ہمت و استقلال سے اپنی جگہ کھڑے ہوئے ہیں، جو لوگ کہ فن جنگ کے ماہر و تجربہ کار ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ایک کثیر و جرار لشکر سے کس قدر ہیبت و رعب طاری ہوتا ہے، لیکن مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ مردانہ وار بے خوف و خطر اپنی جگہ کھڑے ہوئے مقابلہ کر رہے ہیں، ادھر رسول اللہ صلعم جنگ کرنے کا شوق دلا رہے ہیں، ادھر مشرکین اپنے کثیر اسلحہ و سامان اور فراوں لشکر کے ہمراہ جوانمردی کے ساتھ ان لوگوں سے جنگ کر رہے ہیں، جن کے پاس جنگی اسلحہ و سامان اور لشکر نہیں ہے جنھوں نے موت کو زندگی پر ترجیح دے رکھی ہے، آخرکار مشرکین کو شکست ہوتی ہے، مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا، انھیں قید کر لیا لیکن لوٹ مار اور غارت نہیں کیا، جیسا کہ اس زمانہ میں عربوں کی حالت تھی کہ وہ جنگ کے موقعہ پر لوٹ مار کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ کفار قریش کا لشکر بھاگ گیا، اس طرح کفار قریش پسپا اور رسوا ہو گئے۔

کفار کے لوگ اس جنگ میں مسلمانوں کے مقتولوں سے ۵ گنا زیادہ مارے گئے، ان کے قیدیوں کی تعداد مقتولین کے برابر تھی، ہم اس امر کی نہیں کہ جنگ بدر میں کثیر تعداد میں مقتولین ہوئے، ایک بہت بڑی تعداد میں

قید ہوئے، بے شمار مال غنیمت ملا بلکہ اہم اس بات کی تھی کہ قریش نے وادی بدر میں اپنی سیادت و قیادت دفن کر دی، اہم یہ نہیں کہ محمد صلعم اپنے دشمنوں کو قید کر کے مدینہ لوٹے بلکہ حیرت انگیز اور تعجب خیز امر تو یہ ہے کہ آپ نے مٹھی بھر جماعت سے کفار کی عسکری قوت کو تار و پود کی طرح بکھیر دیا۔

نبی کریم صلعم فتحمندانہ شان سے مدینہ پہونچے تو ثابت ہو گیا کہ جس عسکری نظام کو آپ نے قائم کیا، وہ ایک حیرت انگیز تشکیل تھی، بدر میں اسلامی لشکر کے قوانین وضع کئے، یہی لشکر آئندہ اسلامی فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

چنانچہ جنگ بدر کے بعد سے اسلام سرعت کے ساتھ پھیلنے لگا اسلامی لشکر مشرق و مغرب اور دنیا کے تمام ممالک پر اپنے فتوحات کا سیلاب بہاتا ہوا چھا گیا، بڑی بڑی سلطنتوں اور حکومتوں پر غلبہ حاصل کر لیا، ان ہی دو چیزوں یعنی تنظیم و اتحاد اور ہوت کو حقیر سمجھنے سے فتحمندی کے جھنڈے لہرائے فتح و نصرت کے لئے یہی دو چیزیں لازمی اور ضروری ہیں، جب تک مسلمان اپنے ان دو اصول پر جن کو رسول اللہ صلعم نے مقرر کیا ہے کاربند نہ رہیں ان کی پہلی حکومت لوٹ کر نہیں آسکتی۔

جہادِ حرّیت

ہم نے گزشتہ بیان میں جہاں رسول اللہ صلعم کے غزوات اور آپ کی فوجی نقل و حرکت کا ذکر کیا ہے وہاں بتلایا ہے کہ اس جنگ کا مقصد نہ صرف تبلیغ اسلام کی آزادی تھا بلکہ تمام ادیان سماویہ میں حریت اعتقاد تھا، جس پر قرآن مجید کی یہ آیتیں صراحت کر رہی ہیں:-

اذن للذین یقاتلون انھم ظلموا و ان اللہ علی نصرھم لقدیر

جنگ کی اُن لوگوں کو اجازت دے دی گئی، جن سے لڑائی کی جاتی ہے، اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے غالب کر دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے، جو اپنے

الّذین اخرجوا من دیارھم بغیر حقٍ الا ان یقولوا ربنا اللہ ۔

گھروں سے ناحق نکالے گئے، محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں، کہ ہمارا رب اللہ ہے ؛

یہاں جنگ کی اِجازت کو دین میں رُکاوٹ پیدا کرنے اور خدا کی عبادت کرنے میں لوگوں کی آزادی کو چھین لینے کی علت قرار دیا گیا ہے، ذیل کی یہ آیت مشروعیت قتال پر دلالت کرتی ہے؛

وقاتلوھم حتیٰ لاتکون فتنةٌ ویکون الدین کلہ للہ فان انتھوا فان اللہ علی ما تعملون بصیرٌ

اور تم ان سے جنگ کرتے رہو تاوقتیکہ فتنہ دور نہ ہو جائے، اور دین تمام تر اللہ ہی کے لئے ہو جائے اگر وہ جنگ کرنے سے باز رہیں، تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال پر نظر رکھنے والا ہے؛

یہاں پر بھی جنگ کی علت غائی فتنہ و فساد کا اِنسداد قرار دیگئی ہے کہ مسلمانوں کو زبردستی ان کے عقیدہ سے منحرف کرنا بہت بڑا فتنہ ہے، اگر وہ اس زبردستی اور ظلم و فساد سے باز رہیں تو ان کا معاملہ اللہ کے سپہ دِکر دیا جائے گا، چنانچہ اس آیت میں اس کی جانب اِرشاد ہے.

وقاتلوا فی سبیل اللہ الّذین یقاتلونکم ولا اعتدوا

اور تم اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں لیکن تم اپنی حد سے تجاوز نہ کرو۔

یہاں قتال کا حکم حریت کی مدافعت کے لئے دیا گیا ہے اور ظلم و زیادتی کرنے سے منع کیا گیا ہے، پھر ذیل کی آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ کس طرح ادیان سماریہ کی آزادی کی مدافعت کے لئے قتال مشروع ہے، اس سے غرض وغایت یہ ہے کہ مسلمان آزادی کے ساتھ نماز قائم کریں، مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک اور برتاؤ کریں، اور علی الاعلان بے خوف و خطر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔

ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات ومساجد يذكر فيها اسم الله كثيراً ولينصرن الله من ينصره ان الله لقوى عزيز الذين ان مكناهم فى الارض اقاموا الصلوٰة وآتوا الزكوٰة وامروا بالمعروف ونهوا عن المنكر ولله عاقبة الامور۔

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا ایک دوسرے سے زور نہ گھٹاتا رہتا تو نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے، سب منہدم ہوگئے ہوتے، اور بے شک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا، جو اللہ کی مدد کرے گا، بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا اور غلبہ والا ہے، یہ لوگ ایسے ہیں، کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں، زکواۃ دیں، نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے

منع کریں، اور سب کاموں کا انجام تو
خدا ہی کے اِختیار میں ہے۔

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ اِسلام کی غرض وغایت جنگ سے محض فتنہ وفساد کا اِنسداد کرنا اور لوگوں کی تکلیفوں اور اذیتوں کو دور کر کے اُن کے عقاید میں آزادی دلانا ہے۔

یہ فتنہ قتل وخونریزی سے بھی زیادہ خوفناک اور انجام جنگ سے بھی زیادہ مہلک ہے، چنانچہ اس آیت میں اسی کی تصریح کی گئی ہے؛

يسئلونك عن الشهر الحرام
قتال فيه قل قتال فيه كبير
وصد عن سبيل الله وكفر به
والمسجد الحرام واخراج
اهله منه اكبر عند الله و
الفتنة اكبر من القتل
ولا يزالون يقاتلونكم
حتى يردوكم عن دينكم
ان استطاعوا۔

لوگ آپ سے شہر حرام میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اس میں خاص طور پر قتال کرنا جرم عظیم ہے، اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک ٹوک کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام کے ساتھ اور جو لوگ مسجد حرام کے اہل تھے اُن کو اس سے خارج کر دینا۔ جرم اعظم ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور فتنہ پردازی کرنا قتل سے بدرجہا بڑھ کر ہے، یہ کفار تمہارے ساتھ ہمیشہ جنگ رکھیں گے اِس غرض سے کہ اگر قابو پالیں تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں؛

حضور اکرم کا مقصد جیسا کہ قرآن مجید سے ظاہر ہے محض دین اور اعتقاد کی آزادی کے لئے مدافعت تھی اور اس حرّیت کی حفاظت کے لئے مشرکین سے جنگ و قتال لازمی ہے۔

جب محمد صلعم کے دین کو مدینہ میں سکون و اطمینان کی سانس نصیب ہوئی اور محسوس ہونے لگا کہ اب دشمنوں سے کوئی خوف و اندیشہ نہیں اور ان کے فتنہ و شر کے لئے کوئی سبیل نہیں، اسلامی حکومت و سلطنت کی قوت و شان مدینہ کے اطراف و اکناف یہود و مشرکین کے قلوب پر مستولی ہو چکی ہے، اسلامی عظمت و ہیبت قبیلوں کے دلوں پر طاری ہو گئی ہے، آپ کی شہرت اور دعوت کے ڈنکے تمام جزیرۂ عرب میں بجنے شروع ہو گئے ہیں، مکہ تک تمام راستوں پر پورا تسلط ہو گیا ہے اور آپ نے تجارتی آزادی دے دی ہے اور اسی وجہ سے تلوار میان میں ہمیشہ رکھے رہنے کا حکم بھی صادر کر دیا ہے، تو آپ نے اپنی فکر رسا، ذہن ثاقب اور بصیرت عقل سے محسوس کیا کہ مکہ کے ساتھ صلح کرنے کا وقت قریب آ چکا ہے، اسلئے آپ مہاجرین اور انصار کے لشکر اور ان کے حلیفوں کی جماعت کے ساتھ قربانی کے اونٹ ساتھ لئے ہوئے چلے اور اعلان کر دیا کہ جنگ کرنے کے مقصد سے نہیں بلکہ حج کرنے کے لئے آ رہے ہیں!

جب قریش کو آپ کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ آپ کو بیت اللہ سے روکنے کے لئے نکلے، انھوں نے آپ کے اس طرح شان و شوکت کے ساتھ مکہ میں داخل ہونے کو مناسب نہ سمجھا اور اس خیال سے انکار کر دیا۔ کہ عرب کے لوگوں کو یہ کہنے کا موقعہ نہ آئے کہ محمد صلعم نے کعبہ کا طواف کر لیا اور شان و شوکت اور قوت کے ساتھ مکہ میں آئے، انھوں نے آپس میں

معاہدہ کرلیا اور سبھوں سے قسم لے لی کہ آپ کو مکہ میں کبھی داخل نہ ہونے دینگے
ادھر آنحضرتؐ کا لشکر منتظر کھڑا ہے اور شہر میں داخل ہونے سے انکار کی صورت
میں مشرکین کے گھروں میں گھسنے کے لئے جوش وخروش میں ڈوبا ہوا ہے،
لیکن ادھر آنحضرتؐ ایک دوسرے امر میں انھیں ترغیب دے رہے ہیں،
مدینہ سے نکلنے کے وقت ہی جنگ نہ کرنے کا عزم کرلیا گیا تھا؛ محمد صلعم کو اپنے
اس ارادہ سے کوئی چیز باز رکھنے والی نہیں تھی، آپ کے مقصد کو کوئی شخص
روکنے والا نہیں تھا۔

آپ نے قریش کی اس بے جا زیادتی پر صبر کیا اور آپ کے اصحاب
کے ساتھ ایک دشوار گزار راستہ اختیار کیا تھا کہ یہ دشمنوں پر حملہ نہ کر بیٹھیں
اور مشرکین کو اپنے اس اقدام پر غور وفکر کرنے کے لئے موقعہ مل جائے، آپنے
فرمایا آج کا دن قریش صلہ رحمی کو مجھ سے پوچھتے تو میں دیدیتا۔

جب آپ حدیبیہ میں داخل ہوئے تو قریش نے اپنی سرکشی کی انتہا
کردی اور قربانی کرنے اور بیت اللہ کا طواف کرنے سے انکار کردیا حالانکہ
قربانی کے لئے اونٹنیاں لائی گئی تھیں اور حج وعمرہ کا احرام بھی باندھ
لیا گیا تھا۔

آپ نے جب اپنے ارادہ کی مزید توضیح کرنے کے لئے اپنا سفیر ان
کے پاس بھیجا تو اُنھوں نے اس کے اونٹ کے پاؤں کاٹ دئے اور اس کو
قتل کرنے کا قصد کرلیا، آپ برابر اپنے سفیر ان کے پاس بھیجتے رہے، اور
اُنھیں نصیحت کرتے رہے لیکن اُنھوں نے اپنی سرکشی اور تکبر میں کوئی کسر
نہ اُٹھا رکھی، انھوں نے اپنے آدمی بھیجے اور نبی کریم صلعم کے لشکر کا طواف
کرنے کا اُنھیں حکم دیا، وہ گرفتار کر کے آپ کے پاس لائے گئے لیکن آپنے

اُنھیں معاف کر دیا اور چھوڑ دیا۔

محمد صلعم کے اس صبر سے ایک فوری نتیجہ پیدا ہو گیا کہ عربوں نے معلوم کر لیا کہ آپ کا اِرادہ جنگ کا نہیں ہے، قریش کے حلیفوں نے قریش کے اِس فعل پر عدم رضامندی کا اِظہار کیا اور حبشیوں کے سردار نے اِعلان کر دیا کہ وہ لوگوں کو بیت اللہ سے روکنے پر ہرگز راضی نہیں ہیں، انھوں نے ایسے کام کے لئے قریش سے ہرگز معاہدہ نہیں کیا، ثقیف نے بھی انہیں نصیحت کی کہ وہ محمد صلعم کو نہ روکیں، اُنھوں نے مسلمانوں کے رعب اور ان کی قوت سے انھیں خوف دلایا، غرض کہ ان اسباب سے رسول اللہؐ کا مقصد (یعنی صلح) پورا ہو گیا چنانچہ قریش کی جانب سے سھیل بن عمرو قاصد بن کر آپ کے پاس اس بات پر صلح کرنے کے لئے آیا کہ آپ اس سال واپس جائیں، اور آئندہ سال جبکہ قریش اجازت دیں تو حج کریں اور مکہ میں صرف تین دن قیام کریں، مسلمانوں پر یہاں سے لوٹنا بڑا شاق گزرا لیکن رسول اللہ صلعم نے اس صلح کو قبول فرما لیا دس سال تک امن وصلح قائم کرنے کا معاہدہ ہوا، قریش نے یہ شرط لگائی کہ ان دس سالوں کے درمیان اگر قریش کا کوئی شخص بغیر اس کے رشتہ داروں کی اجازت کے محمدؐ صلعم کے پاس پناہ گزیں ہو جائے تو اس کو قریش کے پاس لوٹا دیں لیکن قریش اور اس کے حلیف نبی کریم کے کسی شخص کو جو اُن کے پاس پناہ لینے کے لئے آئے تو واپس نہیں کریں گے۔

جب آنحضرتؐ نے اِس شرط کو بھی قبول فرما لیا تو حضرت عمر بن الخطابؓ آپ کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ کیا آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا بے شک، اُنھوں نے کہا کیا ہم مسلمان نہیں ہیں، آپ نے

جواب دیا بے شک، انھوں نے کہا کیا وہ مشرکین نہیں ہیں آپ سلے فرمایا ہاں کہا پھر ہم کس طرح اپنے دین میں یہ ذلت گوارا کر سکتے ہیں، آپ نے فرمایا میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں اس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے ہرگز ضائع نہیں کریگا؛

قریب تھا کہ اس معاہدہ اور شروط سے اور کعبۃ اللہ کی زیارت سے واپس لوٹ جانے کی وجہ سے مسلمان اپنے غم وغصہ کے اظہار میں کوئی بے اعتدالی کر بیٹھیں لیکن محمد صلعم کی تعلیم و تربیت اور صلح و آشتی قائم کرنے کے متعلق آپ کی عزیمت اور ارادہ نے مسلمانوں کو جادۂ اعتدال پر قائم رکھا، جب معاہدہ لکھنے کا وقت آیا تو رسول اللہ صلعم کے صبر کا مظاہرہ ہوا، کیونکہ جب آپ نے حضرت علی رض کو بلا کر فرمایا کہ لکھو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم تو قریش کے سفیر سہیل بن عمرو نے کہا ٹھہر جائیے میں یہ الرحمن الرحیم کیا چیز ہے نہیں جانتا بلکہ اس طرح لکھئے باسمک اللھم، آپ نے فرمایا یہی لکھو، پھر آپ نے لکھوانا شروع کیا کہ یہ وہ صلح ہے جس کو محمد الرسول اللہ نے سہیل بن عمرو سے کی ہے، سہیل نے کہا ٹھہر جائیے اگر میں آپ کو اللہ کا رسول جانتا تو آپ سے جنگ کیوں کرتا۔ آپ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھئے آپ سے فرمایا لکھو یہ وہ صلح ہے جس کو محمد بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے کی ہے یہاں پر رسول اللہ صلعم کا انصاف اور آپ کی کشادہ دلی ظاہر ہوتی ہے۔

معاہدہ ہو چکا اور مسلمان بادل ناخواستہ لوٹ گئے، بعض لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے خیالات فاسدہ آنے لگے کہ آپ نے کس طرح یہ شرط قبول کر لی کہ جو قریش کا آدمی آپ کے پاس آئے اس کو واپس لوٹا دیا

اور آپ کا کوئی شخص ان کے پاس چلا جائے تو وہ نہ لوٹائیں اور قریش کے کہنے کے مطابق آپ حج سے باز رہے، لیکن رسول اللہ صلعم کو اپنے مقصد سے کوئی چیز باز نہ رکھ سکی آپ تو یہی چاہتے تھے کہ صلح و آشتی کے سایہ میں تبلیغ اِسلام کی آزادی حاصل ہو جائے اور آپ اسی میں کامیابی کی راہ پاتے تھے ابھی مسلمان راہ میں تھے کہ سورۂ فتح نازل ہوتی ہے، قرآن مجید نے اِس صلح کا نام فتح مُبین (کھلی ہوئی فتح) رکھا:

اِنّا فتحنا لك فتحاً مبيناً ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر ويتم نِعمته عَليك ويهديك صِراطاً مُستقِيماً ه	بیشک ہم نے آپ کو ایک کھُلم کھُلا فتح دی، تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دے اور آپ پر اپنے اِحسانات کی تکمیل کر دے اور آپ کو سیدھے راستہ پر لے چلے۔

اِس کے بعد رسول اللہ صلعم کی دانائی، صَداقت اور خدائے تعالےٰ کا وعدہ ظاہر ہو گیا، لوگ دین اسلام میں جوق جوق داخل ہونے لگے، ابھی صلح حدیبیہ پر دو سال کی مدت گزرنے نہ پائی تھی کہ گزشتہ بیس سال کے اندر جتنے لوگ حلقہ بگوش اِسلام ہوئے تھے اس سے کئی چند تعداد میں داخل ہونے لگے، یہ صلح جس کو حضور صلعم نے مسلمانوں کے اِرادہ اور قریش کی سرکشی اور بغض و عناد کے مقصد کے خلاف اختیار کی تھی اسلام کے لئے سراسر باعث برکت و عظمت ثابت ہوئی، اِس سے بڑھکر کوئی فتح اِس کے

قبل نہیں دیکھی گئی؛

قریش نے جو یہ شرط لگائی تھی کہ مسلمان ہو کر کوئی شخص آپ کے پاس آئے تو اس کو کفار کے حوالہ کر دیں تو اس صلح کے ایک سال بعد اُنھوں نے چاہا کہ اس شرط کو منسوخ کر دیں اور رسول اللہ صلعم اس کو قبول کریں اُسکی وجہ یہ پیش آئی کہ بعض کمزور مسلمان رسول اللہ صلعم کے پاس پناہ لینے کے لئے آتے تو آپ ان کو معاہدہ کے مطابق کفار کے سپرد کر دیتے تھے جب ابو بصیر اسلام لائے تو کفار کے ہاتھوں سے بچنے کے لئے دریا کے کنارہ ایک مقام کی طرف فرار ہو گئے، ان کو دیکھکر وہ مسلمان جو مدینہ میں جا کر پناہ نہیں لے سکتے تھے وہ بھی ان کے پاس بھاگ نکلے، یہاں تک کہ انکی ایک کثیر جماعت ہوگئی، مکہ سے جو قافلہ تجارت کی غرض سے وہاں سے گزرتا ان لوگوں نے اس پر لوٹ مار کرنا شروع کر دیا اس طرح قریش کو ایک نئی مصیبت سے دوچار ہونا پڑا مجبور ہو کر نبی کریم صلعم کے پاس آکر گزارش کی کہ آپ ابو بصیر اور ان کے ساتھیوں کو اپنے پاس بلالیں، اور یہ شرط باطل کر دیں اور جو شخص مسلمان ہو کر آپ کے پاس آنا چاہے آسکتا ہے، چنانچہ آپ نے ان کی یہ درخواست منظور فرمالی، یہ رسول اللہ صلعم کی زبردست سیاسی تدبیر کا نتیجہ تھا، آپ نے اپنے دشمنوں کا مطالبہ قبول فرمالیا ان کو تجارت کرنے کا حکم دیا اور ثابت کر دیا کہ آپ کا مقصد جنگ کرنے کا نہیں بلکہ حرّیت اعتقاد اور حرّیت تبلیغ کو حاصل کرنا ہے، آپ کا ارادہ ہرگز مکہ کی تجارت کو لوٹنے اور اپنا انتقام لینے کا نہیں ہے، جیسا کہ بعض دوسرے ادیان کے بعض مصنفین نے گمان کیا ہے؛

آپ نے اپنے لشکر کو بالخصوص ایسے زمانہ میں جبکہ آپ کے قبضہ میں

مکہ کے شمال و جنوب کے تجارتی راستے آپ کے تھے، دس سال تک کے لئے ایک مشکل شرط کے ساتھ صلح جوئی پر آمادہ کیا، آپ اگر چاہتے تو مکہ اور طائف کے درمیان تجارتی قافلہ کو روک سکتے تھے اور ابو بصیر اور ان کے ساتھیوں کو بلا سکتے تھے، اس میں کسی کو دم مارنے کا یارا نہ ہوتا لیکن آپ نے معاہدہ کو پیش نظر رکھا؛

جب آپ کو اس صلح کی وجہ سے قریش سے اطمینان ہو گیا تو آپ عالم کے بڑے بڑے بادشاہوں کو دین اسلام کی طرف دعوت دینے کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے لشکر کو روم کی جانب روانہ فرمایا، جہاں کے بادشاہوں نے اسلامی سفیروں کو قتل کرنا شروع کیا تھا، اور تبلیغ کی راہ میں حائل ہو گئے تھے؛

محمد صلعم نے پہلے پہل اپنے لشکر کو تیزی کے ساتھ جزیرۂ عرب سے دوسرے ممالک میں بھیجنے میں دور اندیشی اور احتیاط سے کام لیا، عربوں نے آپ کے عظیم الشان مقصد اور آپ کی غرض وغایت کی اہمیت و بلندی کو سمجھ لیا؛ اسی وجہ سے وہ تمام ایک متحدہ قومیت کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے، اس طرح دعوت و تبلیغ اسلام کے پھیلنے اور پھیلانے کے لئے ان کے اندر بہت بڑی استعداد و صلاحیت پیدا ہو گئی آپ نے عملی میدان میں قدم دھرنے میں سرعت کی، اپنی دانائی، عقلمندی اور دور اندیشی سے محسوس کر لیا کہ مدینہ میں عربوں کی دولت و سلطنت کے ظہور پر سلطنت رومانیہ کو صبر و تاب نہ رہیگا، اور وہاں کے لوگ مقابلہ کرنے کے لئے ضرور آمادہ ہو جائینگے آپ کی فتحمندی کا یہ عالم ہے کہ جس قوم سے غزوہ اور جہاد کرتے ہیں اس پر فتحیاب ہوتے ہیں اور جو قوم آپ کے مقابلہ کے لئے آتی ہے وہ ذلیل وخوار

ہوتی ہے آپ کا اِس طرح سے فوجی نقل و حرکت کرنا تعجب خیز امر ہے جو آپ کی بے نظیر سیاسی تدبیر و ادراک اور عدیم المثال جنگی درایت پر دلالت کرتا ہے۔

روم کے غزوہ سے عربوں کے جذبات و خیالات اِنتقام لینے اور لوٹ مار سے بہت بلند ہوگئے اور ان کی باطنی حالت دنیوی اغراض و مقاصد سے بہت ہی اعلیٰ و بالا ہوگئی

اِس طرح رسول اللہ صلعم نے قبیلہ سے وطن، پھر قومیت پھر سلطنت اِسلامی (یعنی حکومت الٰہیہ) تک رسائی حاصل کی اور اس سلطنت کے لئے عربوں کو اِنتخاب کیا اور ان کے اندر اپنی ایسی روح پھونکی جس کی وجہ سے اُنھوں نے قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کو تہ و بالا کر دیا، اس کے بعد ایک ایسی اِسلامی سلطنت قائم ہوئی جو عنصریت، عصبیت رنگ و امتیاز خاندان و قبیلہ سے پاک و منزہ ہے، جس میں تقویٰ اور پرہیزگاری کے سوا، اور کسی چیز کی خصوصیت و امتیاز نہیں ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد سے دشمنان اِسلام میں سے ہر عقلمند اور صاحب بصیرت نے خواہ وہ جزیرۂ عرب کا ہو یا دوسرے ممالک کا اِس بات کو اچھی طرح محسوس کر لیا کہ محمد صلعم نے متفرق اور منتشر قوم کو جو روم اور فارس کی نظروں میں نہایت حقیر و ذلیل تھی ایک جگہ جمع کر کے اپنا جھنڈا ایسا لہرایا ہے کہ اس کے سامنے دنیا کو سر تسلیم خم کرنا پڑیگا اور آپ کے جھنڈے تلے آنا پڑیگا، چنانچہ قریش کے دو بہادر خالد بن ولید اور عمرو بن عاص جو بعد میں اِسلامی بطل ہوئے اور مخزوم و سہم کے سردار جو قریش کے قبیلوں میں سے محمد صلعم اور اسلام کے سخت ترین دشمن تھے آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوگئے، اس میں سے ایک فاتح عراق اور بطل مشرق اور دوسرا فاتح مصر اور بطل مغرب کہلائے جانیکا مستحق ہوا۔

قریش نے اپنی تنگ نظری کی بنا پر صلح حدیبیہ کو توڑ دیا اور نبی کریم کے حلیفوں کے خلاف مدد پہنچائی تو آپ نے اپنی معہودہ عزیمت اور فہم و فراست سے اُسکو قبول فرما لیا اور تجدید معاہدہ سے اِنکار کر دیا اور اندرونی طور پر اپنی قوت بڑھانی شروع کی، اپنے خیال کو صیغہ راز میں رکھا، اور دس ہزار کا لشکر لیکر مکہ میں داخل ہوئے، اب یہاں جو معدودے چند لوگ رہ گئے تھے بھلا وہ کس طرح مقابلہ کر سکتے تھے، اِس لئے سوائے قبول اِسلام کے اور کوئی چارہ نہ تھا اور قریش کا عجز بالکل ظاہر تھا۔

فتح مکہ سے رسول اللہ صلعم کی حسن سیاست، جودت فکر، جوہر عقل اور حکمتِ عملی پورے طور پر نمایاں ہوگئی، دولت اِسلامیہ جزیرۂ عرب میں مستحکم اور مضبوط بنیادوں پر قائم ہوگئی، کعبۃ اللہ میں پھر وہی روح پرور دور آگیا جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تھا اور یہ شرک و بت پرستی سے یکدم پاک ہوگیا اور وہ توحید کا مرکز قرار پاگیا، رکوع، سجدہ، قیام اور اعتکاف کرنے والوں کا قبلہ ہوگیا۔

سیاسی واقعات

ہم نے گزشتہ باب میں آپ کی سیاست کی خوبی، دوراندیشی اور حکمت عملی سے بحث کی تھی، جس میں بطل اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو واضح کرنے کے لئے آپ کے بعض اہم سیاسی پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی تھی۔

اب یہاں پر بعض مثالیں پیش کرتے ہیں کہ آپ نے حوادث ومشکلات میں کس تدبیر اور دوراندیشی سے کام لیا، تاکہ آپ کی دانائی، اندازہ کی خوبی اور آپ کا ذوق سلیم نمایاں ہو جائے، ہم اس کے بعد سمجھیں گے کہ ہم نے حتی الامکان آپ کے صفات جلیلہ اور اخلاق فاضلہ کی ایک ایسی تصویر پیش کر دی ہے، جس سے آپ کی بے نظیر ہستی یقینی طور پر لوگوں کے اذہان میں سما سکتی ہے سب سے پہلے ہم بیان کریں گے کہ آپ نے منافقین

کے لیڈر اور خزرج کے سردار عبداللہ بن ابی ابن سلول کے ساتھ کیا گیا جب
نبی کریم صلعم ہجرت کرکے مدینہ میں آئے اور آپ کی شان وعظمت روز افزوں
بڑھنے لگی تو عبداللہ نے بغاوت کا ارادہ کیا، اور فتنہ وفساد پھیلانے کے درپے
ہوگیا، اس کا پوشیدہ فاسد ارادہ بنی مصطلق جبکہ رسول اللہ صلعم دشمن کے
ساتھ جنگ کرنے میں مشغول تھے ظاہر ہوگیا، عبداللہ اس وقت فتنہ وفساد
برپا کرنے کو تھا، اور مسلمانوں کو نہ صرف امداد پہنچانے سے باز رہا، بلکہ انکی
قوت کو پست کرنے کے درپے ہوا۔

اس کا سبب یہ ہوا کہ عمر بن خطاب کا ایک پناہ گزیں اور انصار کے
حلیفوں میں سے ایک شخص کے درمیان، پانی کے چشمہ پر دونوں کی مڈبھیڑ
ہوگئی، پناہ گزین نے مہاجرین کی جماعت کو آواز دی اور دوسرے نے انصار
کے گروہ کو دہائی دی عبداللہ بن ابی کو اس واقعہ سے بہت غصہ آیا اور
کہا کیا انھوں نے ایسا کیا ہے، انھوں نے ہمارے شہروں میں نفرت
وعداوت کی تخم ریزی کردی، قسم اللہ کی قریش کے ان جلباب پوشوں
کو ہم نے جگہ دیکر ان کو اس نتیجہ تک پہنچایا، قسم خدا کی اگر ہم مدینہ پہنچینگے تو
ہم میں سے ہر معزز شخص ان کے ذلیل اشخاص کو نکال دیگا۔

پھر اپنی قوم کے افراد کے پاس آیا اور کہا، یہ تم نے کیا کیا تم نے ان
کے لئے اپنے شہر میں پناہ دی اور اپنے مال انھیں تقسیم کردیئے، یاد رکھو جو
کچھ بھی اب تمہارے ہاتھ میں ہے، وہ تمہارے اغنیا پر صرف کردو، زید بن
ارقم نے یہ سن لیا اور رسول اللہ صلعم کے پاس جاکر بیان کیا، آپ کے پاس
حضرت عمر بن خطاب بھی بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے کہا عباد بن بشر کو حکم بھیجئے
کہ وہ اس کو قتل کردے، آپ نے فرمایا اے عمر کیا یہ بہتر ہوگا کہ لوگوں کو یہ

کہنے کا موقعہ ملے کہ محمدؐ اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہے' یہ نہ ہوگا' آپ نے کوچ کا حکم دیا' صبح سویرے لوگوں نے کوچ کیا حالانکہ رسول اللہ صلعم اتنے سویرے کوچ نہ کرتے تھے' دن بھر چلے رات آ پہنچی پھر رات بھر بھی لوگوں کے ساتھ چلتے رہے' یہاں تک کہ صبح ہو گئی' اس دن آفتاب کی شعاعوں سے تکلیف پہنچ رہی تھی' چونکہ دن اور رات بھر چلے ہوئے تھے اور بہت تھکے ہوئے تھے جب پڑاؤ ڈالا گیا تو تمام پر نیند کا غلبہ ہو گیا' جب آپ مدینہ پہنچے تو عبداللہ بن ابی کے صاحبزادہ عبداللہ اپنے باپ کی کارروائی کی خبر سُنکر آپ کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ میرے باپ کی کارروائی سُن کر اسے قتل کرنا چاہتے ہیں' اگر آپ نے یقیناً ارادہ کر لیا ہے تو مجھے اس کا حکم کیجئے میں اس کا سر کاٹ کر آپ کی خدمت میں حاضر کر دونگا قسم بخدا خزرج کو یہ بات معلوم ہے کہ ان میں کا کوئی شخص اپنے باپ کے ساتھ اتنا مہربان نہیں جیسا کہ میں اپنے والد کا فرمانبردار ہوں' مجھے خوف ہے کہ کہیں آپ میرے علاوہ اور کسی کو اس کے قتل کا حکم دیں' اور وہ قتل کر دے تو میں اس قاتل کو لوگوں میں چلتے ہوئے پاؤں تو قتل کر دوں گا میں اس وقت کافر کے بدلہ مومن کا قاتل بن جاؤنگا اور دوزخ میں ڈالا جاؤنگا' رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہم تیرے باپ کے ساتھ نرمی اور اچھا سلوک کرتے ہیں' اسے اپنی صحبت میں جگہ دیتے ہیں' اس کے بعد جب کوئی حادثہ درپیش ہوتا تو عبداللہ بن ابی کی قوم خود اُسے لعنت ملامت کرنے لگتی' اور اس سے بے جا سختی سے پیش آتی' اس وقت رسول اللہؐ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا اے عمر اب تمہاری کیا رائے ہے' قسم اللہ کی اگر میں اس دن جب کہ تم نے کہا تھا قتل

کر دیتا تو فتنہ کا اندیشہ تھا، لیکن اگر آج تم اس کو قتل کرنے کے لئے کہتے تو
میں قتل کر دیتا، حضرت عمرؓ کہتے ہیں میں نے جان لیا کہ رسول اللہ صلعم کی بات
میرے حکم سے زیادہ وزن رکھتی ہے؛

اس مختصر سے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے کس طرح
صبر سے کام لیا اور ایسے نازک وقت میں کس حکمت عملی کو پیش نظر رکھا، اور
فتنہ و فساد کا قلع قمع کرنے اور اپنے لشکر کو اس میں حصہ نہ لینے کی غرض سے
رات اور دن چلنے میں کس قدر احتیاط برتی، اس واقعہ میں آپ کا سیاسی
حزم و احتیاط، دور اندیشی اور رفق و ملائمت کی پوری تصویر پائی جاتی ہے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جنگ حنین ختم ہونے کے بعد آپ مال غنیمت
کی تقسیم فرما رہے تھے، بنو تمیم میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا اے محمدؐ
آج کا دن جو آپ نے کیا میں نے دیکھ لیا، آپ نے فرمایا ہاں، تو نے کیا
دیکھا، اس نے کہا آپ نے انصاف نہیں کی، رسول اللہ صلعم غضبناک ہوئے
اور فرمایا تجھ پر افسوس ہے اگر میں نہ انصاف کروں تو اور کون کرے گا،
حضرت عمرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کو قتل
کر دوں، آپ نے فرمایا نہیں اسے چھوڑ دو شاید اس کے خاندان میں کوئی
ایسی جماعت نکل آئے جو دین میں غور کر کے ایمان لے آئے؛

چنانچہ اس کے بعد تمیم میں تشدد پسند خوارج پیدا ہوئے جب
نبی کریم صلعم نے قریش کے لوگوں اور عرب کے قبیلوں کو عطایا و انعامات
تقسیم کئے اور انصار کو اس سے محروم کر دیا تو انصار میں چہ میگوئیاں شروع
ہو گئیں یہاں تک کہ بعضوں نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے اپنی قوم کے ساتھ
رعایت کی، جب رسول اللہ صلعم کو یہ اطلاع پہنچی تو آپ نے ان تمام کو

جمع کیا اور ایک رُوح پرور بصیرت افروز اور رقت انگیز خطبہ دیا، جس میں فرمایا اے انصار کی جماعت مجھے یہ کیا خبر پہنچی کہ تم نے مجھ پر رنج و افسوس کا اظہار کیا ہے؟ تم گمراہ تھے کیا میری وجہ سے تم کو اللہ نے ہدایت نہیں کی؟ تم فقیر و محتاج تھے، تم کو اللہ نے مالدار بنا دیا، تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے خدا نے تمہارے دلوں میں الفت و محبت پیدا کر دی، انصار نے یہ سنکر عرض کیا بے شک خدا اور اس کے رسول کا ہم پر بڑا احسان ہے، پھر آپ نے فرمایا اے انصار کی جماعت تم کیوں نہیں جواب دیتے، انھوں نے کہا ہم کیا جواب دے سکتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کا بڑا احسان و کرم ہے، آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ تصدیق کر سکتے ہو کہ تم کو تمام لوگوں نے جھٹلا دیا تھا، جب ہمارے پاس آئے تو ہم نے تمہاری تصدیق کی، تم کو کوئی مدد کرنے والا نہیں تھا، ہم نے تمہاری نصرت و امداد کی، تمہیں تمہاری قوم نے چھوڑ دیا تھا، ہم نے تمہیں جگہ دی، تم فقیر و محتاج تھے، ہم نے تمہاری غمخواری اور ہمدردی کی، اے انصار کی جماعت کیا تم نے دنیا میں سے کوئی چیز پائی میں نے ان لوگوں کو تالیف قلب کی غرض سے دیا تاکہ یہ اپنے اسلام پر ثابت قدم رہیں، اور مجھے تمہارے اسلام پر پورا بھروسہ تھا اور ہے، کیا تم اس بات پر رضامند نہیں ہو کہ اور لوگ بکریاں اور اونٹ لے جائیں اور تم اپنے گھروں کو رسول اللہؐ کو لے جاؤ، قسم اللہ کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں شمار ہوتا اگر اور لوگ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرتے اور انصار دوسرا تو میں انصار کے طریقہ پر چلتا اے اللہ انصار پر انصار کے بیٹوں اور انصار کے بیٹوں کے بیٹوں پر رحم فرما، آپ کی اس حقیقت آفریں تقریر سے پوری قوم

روئی یہاں تک کہ ان کی داڑھیاں بھیگ گئیں اور سبھوں نے کہا ہم رسول اللہؐ سے رضامند ہوئے۔

اس بصیرت افروز، رقت انگیز اور روح پرور تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم مختلف وسائل اور ذرائع سے کس طرح لوگوں کو ایک نصب العین اور ایک مقصد پر جمع کرتے تھے، آپ نے اپنی کشادہ دلی اور اپنے ناخن فہم و تدبر سے امر محال اور مشکل ترین امور کی عقدہ کشائی فرمائی اور ایک ایسی متنافر اور مختلف قوم کو جمع کر دیا جن کا جمع ہونا بغیر تربیت و تدبیر محمدیؐ کے ناممکن تھا۔

بنو حارث بن کعب کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس سے پہلے خالد بن ولید ان میں بھیجے گئے تھے، آپ نے فرمایا اگر خالد نے مجھے یہ نہ لکھا ہوتا کہ تم نے اسلام قبول کر لیا ہے اور جنگ نہیں کی تو میں تمہارے سروں کو تمہارے قدموں پر نچھاور کر دیتا، یزید بن عبد المدان نے کہا سنیئے بخدا ہم نے نہ تو آپ کی توصیف کی اور نہ خالد کی مدح، آپ نے فرمایا پھر تم نے کس کی مدح کی، انھوں نے کہا ہم نے اس خدا کی تعریف بیان کی جس نے آپ کو بھیجکر ہمیں ہدایت عطا کی، آپ نے فرمایا تم سچ کہتے ہو، پھر آپ نے پوچھا تم جاہلیت میں اپنے فریق مخالف پر کس طرح غلبہ پاتے تھے، انھوں نے جواب دیا ہم کسی کو مغلوب نہیں کرتے تھے، آپ نے فرمایا بیشک تم اپنے مخالفوں سے غلبہ حاصل کرتے تھے، انھوں نے کہا ہم اس لئے ان پر غلبہ پاتے تھے کیونکہ ہم میں اتفاق تھا، اختلاف نہیں ہوتا تھا اور ہم کسی پر ظلم نہیں ڈھاتے تھے، آپ نے فرمایا تم سچ کہتے ہو۔

آپ کے اس جواب میں غور کریں "پھر تم نے کس کی مدح کی" کہ

آپ نے کس انداز سے اور کس ہمدردی اور کشادہ دلی سے سوال کیا یہی ہمدردی اور کشادہ دلی اسلامی سیاست کا اصل الاصول اور اساس ہے۔

رسول اللہ صلعم کی سیاسی کامیابی و فوز و فلاح کا راز نرمی، حسن معاملہ لوگوں کی نبض شناسی اور آئندہ امور کی تہ تک پہنچنے میں پوشیدہ تھا، آپ لوگوں کی طبیعتوں سے اچھی طرح واقف تھے، اور عربوں کی نیکیوں، برائیوں اور ان کی محبت و نفرت کی چیزوں کو خوب سمجھتے تھے، آپ اکثر خبروں کے درپئے ہوتے اور ایسی باتوں کو پوشیدہ رکھتے جو ناپسند ہوں مثلاً آپ نے سہیل بن عمرو کو جب کہ وہ قید ہو کر آیا تھا اپنی فراست سے پہچان لیا، چنانچہ اس کا نتیجہ سات سال بعد جب کہ مکہ والوں نے رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد مرتد ہونے کا ارادہ کر لیا تھا ظاہر ہوا، قریش نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ دیکر رہائی دلانی چاہی تو حضرت عمر بن خطاب نے آپ سے اس کے متعلق بحث کی اور فدیہ لینے پر مشورہ نہ دیا، چنانچہ آپ سے اجازت چاہی کہ سہیل بن عمرو کے دونوں دانت نکال لئے جائیں تاکہ رسول اللہ صلعم کے خلاف کوئی خطبہ کسی جگہ بھی نہ دے سکے لیکن آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اگر میں اس کا مثلہ کر دوں تو خدا بھی مجھے اگرچہ میں نبی ہوں مثلہ کرے گا، مجھے امید ہے کہ اس سے کوئی بڑا کام دستیاب ہو سکیگا، چنانچہ جب فتنہ ارتداد برپا ہوا اور اکثر مکہ والوں نے اسلام سے منحرف ہونے کا ارادہ کر لیا جس سے عتاب ابن اسید جو نبی کریم صلعم کی جانب سے مکہ کے گورنر مقرر تھے خوف کھا کے روپوش ہوگئے، تو سہیل بن عمرو لوگوں میں کھڑا ہوا، اللہ کی حمد و تعریف بیان کی پھر رسول اللہ صلعم کی وفات کو بیان کیا اور کہا اس سے اسلام کو اور زیادہ تقویت پہنچی، جس شخص کے متعلق ہمیں شک ہو تو

ہم اس کی گردن مار دیں گے، لوگوں نے جب اس کا خطبہ سُنا تو پھر اسلام کی طرف رجوع کیا اور ارتداد کے ارادہ سے باز رہے اور عتاب بن اسید بھی باہر نکل آئے غرضکہ جملہ امور پھر اپنی اصلی حالت پر قائم رہے؛

یہی وہ خدمت ہے جس کو خیال کرتے ہوئے آنحضرتؐ نے عمر بن خطابؓ کو جواب دیا تھا، رسول اللہ صلعم کی یہ وہ فراست و دانائی ہے جو سات سال کے بعد ظاہر ہوئی؛

آپ نے جب ہوازن کی غنیمت کے مال میں سے پانچواں حصہ لیا، تو اس کو اپنے پرانے دشمنوں پر تقسیم کر دیا، چنانچہ ابوسفیان، معاویہ، صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو، حویطب بن عبد العزیٰ، حارث بن ہشام، اور ان کے علاوہ بہت سے لوگوں کو تالیف قلوب کی حیثیت سے دیا، اور ان کی حاجتیں پوری کیں، ابن مرداس وغیرہ شعراء پر اتنا خرچ کیا کہ وہ راضی ہو گئے غرض کہ بخشش و کرم اور جود و سخاوت، رسول اللہ صلعم کی سیاست کا اصل عنصر بن گیا تھا؛

ایک جماعت آپ کے پاس آئی، اور کہا کہ ہم نے مسافروں اور حاجت مندوں کے لئے اور جاڑے اور بارش کی راتوں سے بچنے کے لئے ایک مسجد بنائی ہے، ہماری دلی تمنا ہے کہ آپ اس میں آکر نماز پڑھائیں آپ نے غزوۂ تبوک سے واپس آنے کے بعد، یہاں آنے کا وعدہ فرمایا، جب آپ واپس ہوئے تو آپ کو معلوم ہوا کہ اس میں آپ کے ساتھ فتنہ اور برائی کا ارادہ کر لیا گیا تھا، آپ نے اس کو جلانے کا حکم دے دیا، چنانچہ وہ جلائی گئی، اس میں جو لوگ تھے وہ بھاگ نکلے، یہی وہ مسجد ضرار ہے جس کا قرآن مجید میں ذکر آیا ہے؛

والذین اتخذوا مسجداً ضراراً وکفراً وتفریقاً بین المومنین۔ | بعض ایسے ہیں جنھوں نے ان اغراض کے لئے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہونچائیں اور کفر کی باتیں کریں اور ایمان داروں میں تفریق ڈالیں

اسی طرح آپ کو یہ خبر پہنچی کہ بعض منافقین سویلم یہودی کے گھر میں جمع ہوکر لوگوں کو رسول اللہ صلعم سے اور غزوۂ روم کو آپ کے ساتھ جانے سے روک رہے ہیں، تو آپ نے طلحہ بن عبید اللہ کو بھیجا اور حکم دیا کہ سویلم کا گھر جلا دیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اس گھر میں جس قدر لوگ تھے منتشر ہوگئے؛

ان دونوں مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمد صلعم نے اپنی فراخ دلی اور دور اندیشی کا کیا ثبوت پیش کیا کہ آپ نے فتنہ کے انسداد کے لئے مسجد اور گھر کو جلانے کا حکم کیا کیونکہ محمد صلعم سلطنت و دولت کے نبض شناس تھے، آپ ہر طریقہ سے نرمی و شفقت سے موقعہ کے مناسب علاج کرتے تھے، اور عجب و تعلی کو ناپسند سمجھتے تھے، آپ کی پوری زندگی میں اس کا شائبہ تک بھی نہ پایا گیا، لیکن اس عجب و تعلی کے لئے قصداً آپ نے اس وقت حکم صادر کیا جبکہ آپ صلح حدیبیہ کے بعد مکہ میں داخل ہوئے اور قریش نے آپس میں چہ میگوئیاں شروع کردی تھیں کہ محمدؐ اور آپ کے اصحاب تنگدستی اور افلاس میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کمزور ہوچکے ہیں، چنانچہ ان لوگوں نے ایک مقام پر آپ کو اور آپ کے اصحاب کو دیکھنے کے لئے صف باندھی، جب رسول اللہ صلعم مسجد میں داخل ہوئے تو اپنی چادر کو ایک بازو سے دوسرے بازو پر لپیٹا اور داہنے بازو کو ریادٔ

نمایاں کیا اور فرمایا' خدا اس بندہ پر رحم فرمائے جو آج کا دن اپنی قوت اور
شان کا مظاہرہ لوگوں کے سامنے کرے' پھر آپ نے رکن کا بوسہ لیا اور
دوڑتے ہوئے چلے' آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب بھی دوڑے' ان سے
بعتہ اللہ چھپ گیا' آپ نے رکن یمانی کا بوسہ لیا پھر رکن اسود کا پھر اس کے
تین طواف آہستہ آہستہ دوڑے ہوئے کئے یہ تمام آپ نے اس لئے
کیا کیونکہ آپ کو خبر پہنچی تھی کہ قریش آپ کی اور آپ کے اصحاب کی کمزوری کو
آپس میں بیان کرتے تھے۔

جب لشکر نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا اور بنو قریظہ نے اپنے عہد کو توڑ دیا'
اس کی خبر نبی کریم صلعم اور آپ کے اصحاب کو پہنچی تو آپ نے اس کی تحقیق
کرنے کے لئے سعد بن معاذ' سعد بن عبادہ اور ان کے ساتھیوں کو روانہ
کیا اور فرمایا کہ ان کی جو خبر ہمارے پاس پہنچی ہے' اگر وہ سچ ہے تو تم مجھے
پوشیدہ طور پر اس کی اطلاع کر دو اور اس کو لوگوں میں نہ پھیلاؤ اگر انھوں
نے کسی کی بدعہدی نہیں کی بلکہ ہمارے اور ان کے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے
اس کو برقرار رکھا ہے تو تم اس کا لوگوں میں اظہار و اعلان کر دو' جب یہ لوگ
واپس لوٹے تو آپ پر سلام کیا اور اطلاع دی کہ بنو قریظہ نے اپنا معاہدہ توڑ دیا
ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا اللہ اکبر! اے مسلمانو! خوش ہو جاؤ۔

ان دو قصوں سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلعم نے دشمن کے دل میں
اپنی قوت کے ذریعہ رعب و خوف طاری کرنے اور انصار کی باطنی قوت کو
محفوظ رکھنے اور دشمن کی شان کو کم نہ کرنے کے لئے کس حکمت عملی سے کام لیا۔

رسول اللہ صلعم خبروں کو معلوم کرنے اور پھر اخفاء راز میں ممتاز تھے
جب آپ کے مدنظر فوجی نقل و حرکت کو پوشیدہ رکھنا ہوتا تو قاید جیش کو خط لکھ دیتے

کہ فلاں مقام پر پہنچنے تک اور مقررہ وقت آنے سے پیشتر اپنا ارادہ جاری نہ کرے۔ آپ مستقل رائے اور عزم بالجزم رکھتے تھے، آپ میں کبر و عجب کا شائبہ تک نہ تھا، انتہائی حکمت و تدبیر سے نرمی کے ساتھ سیاست رانی کی اور اپنے نفس اور عقیدہ کی مدافعت کے لئے جنگ کرنے پر مجبور ہوئے، صبر اور نرمی میں اپنی سیاسی نشانیاں اور جنگ و جہاد میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے واقعات و حادثات کے وقت لوگوں سے آپ کی کشادہ دلی ظاہر تھی، اپنی شخصیت اور اپنے عمل و قول کے ذریعہ تمام لوگوں میں وہ اثر پیدا کیا جس کے ذریعہ بعد میں انھوں نے روئے زمین کو فتح کیا اور ممالک پر حکمرانی کی ؛

اسلامی تبلیغ کے اثرات

میں نے تبلیغ اسلامی کے اثر کو بیان کرتے وقت اپنے دل میں ارادہ کیا کہ اس موضوع پر کوئی جامع مقالہ قلمبند کروں، لیکن جب میں اس پر قلم اٹھایا تو دیکھا کہ اس موضوع کے لئے کئی جلدوں اور بے پایان دفتروں کی ضرورت ہے، اس لئے مجھے اس بیان کو ایک دائرہ میں محصور کرنا پڑا اب میں یہاں پر دعوت محمدی کے نقوش دوام، اور زندہ رہنے والے اثرات کو، جو زمان و مکان کی حدود سے بیرون ہیں، بیان کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں اور ان میں سے ان واقعات اور اثرات کو انتخاب کرونگا، جو واضح اور نمایاں ہیں، اور عقاید و مذاہب کے اختلاف کے باوجود لوگوں کی نظروں میں تعجب خیز اور حیرت انگیز ہیں، شاید کہ میں تمہارے سامنے

دوبارہ بلبل اعظم صلعم کی صفات جلیلہ اور عظیم الشان اخلاق کا مختصر سا خاکہ کھینچ سکوں گا۔

سب سے پہلے میں تمہاری توجہ اور عنان فکر جس چیز کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس تبلیغ کا اجتماعی حیثیت سے کیا اثر ہوا، وہ تبلیغ جو ایک خاندان اور گروہ میں قابل پذیرائی نہیں ہوسکتی تھی، کس طرح چندہی سال کے اندر یعنی بیس سال کی قلیل مدت میں مشرق و مغرب میں پھیل جاتی ہے۔

اس دعوت کا فوری اثر یہ ہوا کہ اس نے ایک قوم کے اندر حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا اور اس کو بالکل ایک دوسری شکل و صورت میں بدل دیا، یہ قوم جس میں دعوت کی نشو و نما ہوئی وہی اُمت عربیہ ہے۔

عربوں کی قوم تنگدست تھی، زمین کے پست حصہ میں سکونت گزیں تھی، روم و فارس کی متمدن و مہذب اور شائستہ قوموں کی نظروں میں ذلت و حقارت سے دیکھی جاتی تھی اس کے لئے کوئی قدر و قیمت نہیں تھی، عرب کے لوگ جاہلیت میں مختلف قبائل میں منقسم تھے، اُن میں جنگ بپا تھی، سرداری کے لئے باہم معرکہ آرائی ہوتی، آپس میں معمولی سی بات پر جھگڑ بیٹھتے تھے، ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ پر غلبہ حاصل کرنے کی فکر میں لگا رہتا، اور اپنے حسب و نسب کے ساتھ فخر و مباہات کیا کرتا تھا، اُن کا فخر و ناز تمامتر لوٹ مار قتل و غارت اور ظلم و فساد پر ہوتا، ظلم و ستم ان کی زندگی کا بیش بہا سرمایہ اور لازمہ ہوگیا تھا۔

عمر بن کلثوم کہتا ہے۔

ہم سرکش باغی اور ظالم ہیں، مظلوم نہیں ہیں لیکن ہم نے

ظلم سے ابتداء کی ہے۔

زہیر کہتا ہے۔

جو شخص اپنے حوض کی اپنی تھیار سے حفاظت نہ کرے گا تو وہ ڈہا دیا جائے گا، اور جو شخص لوگوں پر ظلم نہیں کرتا ہے، اس پر ظلم کیا جائے گا۔

اسلامی شاعر قسطامی، اسلامی قبائل میں جاہلیت کی صفت کی تعریف بیان کرتا ہے۔

"جس شخص نے لشکر جمع کیا تو اس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ہمارے پاس بھی سخت اور ٹھوس نیزے اور بہترین گھوڑے ہیں، اور ہم جب کسی پر لوٹ مار کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو جناب اور ضبہ اور کبھی ہمارے بھائی بکر پر ہی جب ان کے سوا کوئی نہ ملے، لوٹ مار کرتے ہیں"

یہ اشعار جاہلیت کے عربی قبائل کی حالت کا نقشہ کھینچتے ہیں، اور بتا رہے ہیں کہ اس تبلیغ کے اثر نے ایک ایسی قوم کو جو اپنے بھائیوں اور ہمسایہ پر لوٹ مار کرنے کو باعث فخر و ناز گردانتی تھی، ایشیاء و افریقہ میں سیاہ و سفید کے درمیان، عدل و انصاف قائم کرنے والی، قانون داں، اور مبلغ اسلام بنا دیا، ایسی وحشی اور بدوی قوم کے افراد ایک ہی صدی کے اندر تہذیب و تمدن کے علمبردار اور نظام عالم کے مالک ہو جاتے ہیں"

جاہلیت میں ہر شخص اپنے قبیلہ کا پابند تھا، اور دوسرے قبیلہ پر عرصہ حیات تنگ کر چکا تھا، قبیلوں کے درمیان اتحاد و اتفاق اور باہم نصر و تعاون مفقود اور بھلائی کا نام ناپید تھا، بلکہ یہ لوگ ان کو سمجھنے سے بھی قاصر تھے، جس طرح یہ انسانیت سے نا آشنا تھے، اسی طرح امت عربیہ

کے وجود کا انکار کرتے تھے، محض دشمنی و بغض و عناد کو زندگی کا واحد مقصد اور ذریعہ جانتے تھے، ہر قبیلہ ہر ممکن طریقہ سے اپنی حفاظت وحمایت اور سرداروں پر غلبہ حاصل کرنے کی فکر میں لگا رہتا، اس وقت دعوتِ محمدی نے ان کی تمام برائیوں کو دور کر دیا، اور عصبیت اور قبیلہ کے فتنہ و شر کا انسداد کر دیا، اور تمام قبائل اور خاندانوں کو ایک ہی امت بنا دیا، اِنسانی حقوق کو قائم کیا، لوٹ مار، قتل و خونریزی کے بجائے باہم نصرو اِعانت، اِتحاد و اتفاق، اور پاک عقیدہ پیدا کر دیا عربوں نے اِس دعوت کو قبول کیا اور اِنسانیت اور اخلاق و صفات سے متصف ہو گئے، اِسلامی شریعت تمام پر فائق ہو گئی اس نے قصاص کو برقرار رکھا، ظلم وستم کی بیخ کنی کر دی، اور عدل و اِنصاف کو عام کر دیا، ہر فرد، ہر سوسائٹی اور ہر قبیلہ کو اپنا اپنا ذِمہ دار ٹھرایا۔

ولا تزروا ذرۃ وزر اخری" کل نفس بما کسبت رھینۃ وان لیس للانسان الاما سعی۔	ایک کا بوجھ دوسرے پر ڈالا نہیں جاتا، ہر نفس اپنی کمائی کا آپ مرہون ہے، اور یہ کہ انسان کو اس کی کوشش کے موافق ہی صِلہ مِلے گا۔

عزت و غلبہ شریعت اور اس کے چلانے والے کے لئے خاص کر دیا، اور جاہلیت کے تمام دعوے باطل کر دیئے گئے، غرض کہ قانون عدل وانصاف اور تبلیغ کا بول بالا ہو گیا۔

ہر شخص اپنے اعمال کا ذِمہ دار قرار دیا گیا، کسی حیثیت سے اس کو

جاہلیت کا دعویٰ کام نہیں دے سکتا، اور یہ میدانِ عمل میں اپنے حسب نسب اور جاہ و مال کو پیش نہیں کرسکتا۔

"فمن یعمل مثقال ذرّۃٍ خیرا یرہ ○ و من یعمل مثقال ذرّۃٍ شرًّا یرہٗ"

پس جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا، اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لے گا۔

انھا ان تک مثقال حبّۃٍ من خردل فتکن فی صخرۃٍ او فی السمٰوات او فی الارض یات بھا اللّٰہ"

بے شک اگر وہ رائی کا دانہ برابر بھی ہو، اور وہ چٹان میں ہو یا آسمانوں یا زمین میں اللہ تعالیٰ اس کو حاضر کردے گا۔

دعوتِ محمدی سے تمام لوگوں میں، مساوات قائم ہوگئی، آقا و غلام شریف و کمتر کا کوئی امتیاز باقی نہ رہا، عمل سے ہر ایک کو فضیلت ہے، خدا سے ڈرنے والا عزت مند ہے۔

یا ایھا الناس انّا خلقناکم من ذکرٍ و انثیٰ و جعلناکم شعوباً و قبائل

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور قبیلے کر دئیے ہیں، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک اللہ کے نزدیک

لتعارفوا ان اکرمکم عندالله اتقاکم۔

تم میں سے زیادہ بزرگ وہ ہے جو پرہیزگار رہے؛

محمد صلعم حجۃ الوداع کے خطبہ میں عربوں کی اس مساوات کو تمام دنیا کے انسانوں کے لئے قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں، اے لوگو! تم تمام آدم کی اولاد ہو، اور آدم ہی سے پیدا کئے گئے ہو۔ کسی عربی کو عجمی پر سوائے تقویٰ و پرہیزگاری کے فضل و فوقیت نہیں۔

یہی وہ اصل الاصول تھا جو عربوں کی فتوحات میں دستور اساسی کا حکم رکھتا تھا، اس جنسیت اور قومیت کے عدم امتیاز نے اسلامی فتوحات کے دائرہ کو وسیع کر دیا اور اس کے ہمیشہ باقی رہنے والے اثرات مشرق و مغرب میں پائے جاتے ہیں۔

دعوت محمدی نے راہ حق اور بھلائیوں میں سبقت کرنے اور باہم غالب آنے اور اعمال صالح میں ایک دوسرے پر بڑھنے کے لئے اجازت دی اور تشویق و ترغیب دلائی، اور اس کے علاوہ ناجائز غلبہ و مسابقت کو حرام قرار دیا؛

فاستبقوا الخیرات الی الله مرجعکم جمیعاً فینبئکم بما کنتم تعملون۔

بھلائیوں میں تم ایک دوسرے پر سبقت کرتے رہو، تم تمام کا ٹھکانا اللہ ہی کی طرف ہے، پس وہ تم کو خبر کر دے گا، کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔

شریعت اسلامیۃ نے قبیلہ کی جگہ قوم، ظلم کی جگہ انصاف، بے جا فضل و تعلی کی جگہ مساوات، اور حسب و نسب پر فخر کرنے کی جگہ عمل صالح کو

اصل الاصول قرار دیا، عربوں سے بغض وعناد اور نفرت کے خیالات کو دور کرکے، ان کے دلوں میں محبت وہمدردی، اور اتحاد کے جذبات کو بھر دیا، اور علی الاعلان کہدیا:

قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم۔ الیٰ قولہ۔ لعلکم تتقون۔	اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ آؤ میں تم کو پڑھ کر سناؤں کہ تمہارے پروردگار نے کیا چیز حرام کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول "شاید کہ تم پرہیزگار ہو جاؤ" تک

عرب میں بت پرستی کا دور دورہ تھا، ان کے مختلف اور بیشمار خدا پائے جاتے تھے، ان سے کبھی اپنی مرادیں مانگتے اور کبھی ان سے نفرت کرنے لگتے، اور بھلائی طلب کرتے، اگر وہ اپنے مقاصد اور اپنی مرادوں میں کامیاب نہ ہوتے تو ان کو گالیاں دیتے، اور برا بھلا کہتے جیساکہ آج کل بھی بعض حبشی قبائل کیا کرتے ہیں، کہ وہ اپنے فرضی معبودوں سے بارش مانگتے ہیں، اگر وہ ناامید ہوگئے تو اپنے معبود کو قتل کردیتے ہیں۔

عربوں کو اپنی زندگی میں عمل کرنے کے لئے کوئی واضح راستہ نہیں تھا تو دعوت محمدی نے ان کو ایک خدا پر ایمان لانے کی تلقین کی، اور حلال حرام کو سمجھا دیا۔

لوگوں کے معاملہ میں ہر چیز میں توحید کو پیش کیا، اور سکھلایا کہ اللہ ایک ہے تمام انسانوں کی اصل ایک ہے، لوگ آپس میں برابر ہیں، اور تمام قومیں برابر اپنا حق رکھتی ہیں، جن رسولوں نے ادیان پیش کئے وہ

سب ایک ہیں، ان کے حقائق، مقاصد اور اغراض ایک ہیں؛

شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحاً والذی اوحینا الیک الآیۃ۔	تمہارے لئے وہ دین جاری کیا گیا ہے، جس کی وصیت نوح کو کی گئی تھی اور جس کی وحی ہم نے تیری طرف کی ہے۔

اور ایک ہی نصب العین بتایا، جس سے وہ اپنے اور لوگوں کے ساتھ حسن معاملہ کرسکے، تبلیغ محمدی نے اس متحد قوم کے اندر وہ روح پھونکی کہ اس کے سامنے دنیوی شان وشوکت، لشکر کی کثرت، فوجی قوت، موروثہ باطل عقاید، بادشاہوں کا دبدبہ اور روسا کا طنطنہ وطمطراق غرضکہ کوئی چیز حائل نہ ہوسکی، اور ان کی نظروں میں نہ جچی، اور نہ ان کے مقاصد کو روک سکی؛

میرے نزدیک یہی توحید محمد صلعم کی تبلیغ کا بہت بڑا اور روشن معجزہ ہے، اگر وجہ اعجاز کو معلوم کرنا چاہیں تو جزیرۂ عرب کی موجودہ حالت کو دیکھنا چاہیئے کہ جس میں صدیوں تک اسلام رہا، آج پھر وہ جہالت وضلالت کا مرکز بنا ہوا ہے، جاہلیت کی تمام عادتیں پھر عود کر آئی ہیں، اور پھر اگر کوئی شخص دوبارہ اس قوم میں وہی اسلامی روح پھونکنا چاہے، اور اس کی اصلاح کا ارادہ کرے تو اس کو کس قدر مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا کیا اکثر وبیشتر مصلحین ایسی اصلاح کرسکتے ہیں جیسا کہ دعوت محمدی نے قلیل مدت میں حیرت انگیز انقلاب برپا کیا تھا، جب موجودہ حالات سے دعوت اسلام کے ظہور کے وقت کی حالت کا موازنہ کرکے دیکھا جائے تو محمد صلعم

کی تبلیغ و اشاعت کا اثر، اس کی قوت، امت عربیہ کی شان و شوکت، اور قدر و قیمت کا تمام عالم پر اندازہ ہو سکتا ہے:

محمد صلعم نے اپنی دعوت کے ساتھ ساتھ نہ صرف امت عربیہ بلکہ تمام قوموں میں آزادی کی روح پھونکی، اور اس کے سامنے تمام انقلابات اور جملہ قوی ہیچ تھے، اس تبلیغ نے انسانوں کو باطل اوہام اور فاسد عقاید سے نکال کر حریت سرمدی بخشی، اور عبودیت الٰہی کو خالص کر دیا؛ تمام شہنشاہیت اور عبودیت کا حق محض اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے:

هو الذی یصلی علیکم وملائکته لیخرجکم من الظلمات الی النور وکان بالمومنین رحیماً، تحیتهم یوم یلقون سلام واعد لهم اجراً کریماً؛

اللہ کی ذات ایسی ہے، کہ وہ اور اس کے فرشتے تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں، تاکہ حق تعالیٰ تم کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے آئے اور اللہ تعالیٰ مومنین پر بہت مہربان ہے اور جس روز اللہ سے ملیں گے تو ان کو جو سلام ہوگا وہ یہ ہوگا کہ السلام علیکم اور اللہ نے ان کے لئے عمدہ صلہ تیار کر رکھا ہے۔

یہی وہ ہستی خدا ہے:

ویدعوا الی دار السلام ویهدی من یشاء الی صراط مستقیم

اور وہ سلامتی کے گھر کی طرف بلا رہا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستہ کی ہدایت کرتا ہے۔

اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور والذین کفروا اولیاءھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمات۔	اللہ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے ان کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے، اور جو لوگ کافر ہیں ان کے ساتھی شیاطین ہیں، وہ اُن کو نور سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔

اِن آیات مقدسہ اور معنی خیز عبارات کے ذریعہ خالق کی عبارت کو خالص کر دیا، اور صراط مستقیم کی طرف ہدایت کر دی۔

لوگ اسلام سے پیشتر بادشاہوں اور رئیسوں کے غلام تھے، خرافات اور فاسد اوہام کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔

صاحب دولت و ثروت کے ہاتھوں بے کس و مجبور تھے، اس دعوت محمدیہ کے ذریعہ انھوں نے بدنی، دینی، مالی اور روحانی غرض کہ ہر قسم کی آزادی حاصل کر لی۔

اس تبلیغ نے لوگوں کو بتلایا کہ نفع نقصان خدا کے ہاتھ میں ہے خدا اور بندہ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں، اور خدا تعالیٰ، انسان کی شہ رگ سے بھی قریب ہے، اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، اپنے دل پر سوائے خدا کے اور کوئی حکمران نہیں ہے، حتیٰ کے اللہ کے رسول کو سوائے تبلیغ و تعلیم کے اپنی جان پر قابو نہیں ہے۔

فذکر انما انت مذکر لست علیھم بمسیطر فان اعرضوا فما ارسلناک علیھم حفیظا۔	آپ نصیحت کر دیا کیجئے آپ تو بس صرف نصیحت کرنیوالے ہیں، آپ ان پر مسلط نہیں ہیں، اگر وہ روگردانی

کریں، تو ہم نے تو آپ کو ان پر نگرانکار بنا کر
نہیں بھیجا۔

اس کے ذریعہ انسان نے اپنی قدر و وقعت کو دوبارہ حاصل کر لیا اور اپنی عقلی، قلبی، فکری اور عملی آزادی پالی، اور دعوت محمدیہ کا اثر ہمیشہ تک کے لئے باقی رہا۔

آپ کی سیاست کا وصف جو آپ نے فرمایا، حضرت علیؓ کی اس روایت سے بڑھکر اور کیا ہو سکتا ہے، معرفت میرا راس مال ہے، عقل میرا سرمایہ ہے محبت میرا اساس ہے، شوق میری سواری ہے، یاد خدا میری انیس ہے، بھروسہ میرا خزانہ، غم میرا رفیق، علم میرا ہتیار، صبر میری چادر، رضا و تسلیم میری غنیمت، فقری میرا فخر، زہد میرا پیشہ، یقین میری قوت، صدق میرا شفیع، طاعت میرا خیال، جہاد میرے اخلاق، اور نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

عمرؓ بن خطاب

میں نے گزشتہ باب میں بیان کیا ہے کہ توحید اور حریت کی حیثیت سے تبلیغ اسلامی کا کیا اثر ہوا، اب میں تمہارے سامنے حضرت عمرؓ فاروق کی مثال پیش کرونگا کہ اس دعوت کا اثر افراد اور اجتماع پر کیا ہوا۔

حضرت عمرؓ اپنی جاہلیت کے زمانہ میں، قریش کے ایک نوجوان تھے، بری صحبتوں اور شریر لوگوں کی مجلسوں میں زندگی بسر کیا کرتے تھے اس زمانہ میں مکہ بہ نسبت جزیرۂ عرب کے اور ملکوں کے لہو ولعب اور شرارت پسند اشخاص کو اپنی طرف کھینچنے میں ممتاز ومشہور تھا، حضرت عمرؓ

بھی ان لوگوں سے علٰحدہ نہیں تھے، بلکہ یہ بے مروتی، قوت و طاقت، سختی
اور شرارت میں مشہور تھے، اپنے مخالف کو ہر طرح سے اذیتیں پہنچانے اور
فتنہ و فساد برپا کرنے کے لئے فوراً تیار ہو جاتے تھے، اسی لئے دعوت اسلامیہ
کی راہ میں، اور اس کو ماننے والوں کے حق میں، مکہ کے اور نوجوانوں اور
او باشوں سے زیادہ خوفناک اور خطرناک تھے، کوئی شخص اُن کی شمشیر
زبان، اور ان کے قبضۂ حاکمانہ سے نہیں بچ سکتا تھا، ایک مرتبہ لیلیٰ
بنت ابو حنتمہ نے غیر معمولی طور پر ان کے اندر نرمی دیکھی تو اس نے ایک
دوسرے مسلمان سے ذکر کیا، اس شخص نے کہا، کیا تو ان کے اسلام
لانے کی تمنا کرتی ہے، جب تک خطاب کا گدھا اسلام قبول نہ کرے وہ
اسلام نہیں لاسکتے، اس طرح مسلمانوں کو ان کے اسلام میں داخل ہونے
کا وہم و گمان بھی نہ تھا، لیکن دعوت نے ان کو اپنے اندر جذب کر لیا،
جب ان کو ہر طرح صیقل کیا اور شائستہ بنا دیا تو یہی عمر امیرالمومنین کے لقب
سے موسوم ہوئے روم و ایران کی سلطنت کو الٹ دیا، نرمی و رحمدلی،
عدل و انصاف میں بے نظیر ہستی کہلائے، اسی تبلیغ کے اثر نے ان کو
عدالت پسند، بہت بڑے سیاست دان اور تاریخ عالم میں ایک بلند پایہ
فاتح، اور اولوالعزم بادشاہ بنا دیا۔

دعوت محمدیہ کا اثر افراد کے نفوس میں اس طرح سرایت کر گیا کہ وہ رفتہ
رفتہ جماعت اور سوسائٹی کے اذہان و قلوب پر چھا گیا، اور اس دعوت نے
دنیا کے انسانوں، اور روئے زمین کے باشندوں کے اندر حیرت انگیز
غیر معمولی انقلاب برپا کر دیا۔

افراد کے دلوں سے باطل اور فاسد عقائد و اوہام کافور ہو گئے؛

اور اس کی جگہ صحیح اور سچے عقاید و خیالات نے ان کے دل و دماغ کی اصلاح کی، اخلاق حسنہ، صفات فاضلہ، اور خصائل پسندیدہ نے ان کے نفوس سے ہر قسم کی گندگی و آلائش کو دور کر دیا، اور اسوۂ حسنہ، اور صفات جلیلہ جو حضور اکرم میں پائے جاتے تھے، ان کے اذہان میں نفوذ کر گئے :

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ | یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں بہترین نمونہ موجود ہے ۔

دعوت محمدیہ نے، اصحاب محمد کے دلوں میں، عدل و انصاف نیکی و راستی اور محبت و الفت کے جذبات و احساسات بھر دئیے، جہاں حق و صداقت کے گلے پر چھری پھیری جاتی تھی، اور جہاں قوت و طاقت پر ہر چیز کا مدار تھا، اور جہاں پر رحم و انصاف کا گلا گھونٹا جاتا تھا، ایسی جگہ حق و راستی کے خیالات و جذبات ان کے نفوس میں پیدا کر دیئے، حضرت عمرؓ کی مثال اس کا آئینہ ہے، کہ آپ امیر المومنین ہونے کے زمانہ میں، لوگوں میں خطبہ دے رہے ہیں، ایک عورت آپ پر اعتراض کرتی ہے آپ رک جاتے ہیں، اور فرماتے ہیں، عورت نے سچ کہا اور عمرؓ نے غلطی کی ۔

یہی عمرؓ ہیں کہ جنھوں نے جاہلیت میں اپنی بہن کا سر زخمی کیا تھا، اب امیر المومنین ہونے کے بعد تکلیف اور مصیبت زدہ لوگوں کو دیکھکر روتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ کہیں آپ کو اس حال میں موت نہ آجائے کہ لوگوں میں کچھ تکلیف باقی رہے ۔

دعوت و تبلیغ کے یہ وہ آثار و اثرات ہیں جنھوں نے اُنھوں

اور بکریوں کے چرانے والوں، مکہ کے حقیر تاجروں، اور مدینہ کے زراعت
پیشہ لوگوں کو بلند پایہ انسان بنا دیا، کہ ان میں سے ہر شخص ایک قائد،
ایک لیڈر، اور لوگوں کا امیر ہونے کی صلاحیت و استعداد اپنے اندر
رکھتا ہے، ان ہی تاثرات نے انھیں عادل و انصاف پسند انسان بنا دیا
جس طرح قرآن مجید نے خود ان کی شان میں ارشاد فرمایا ہے:

یا ایھا الذین امنو
کونوا قوامین للہ شھداً
بالقسط ولا یجرمنکم
شنأن قومٍ علی اَلّا
تعدلوا، اعدلوا ھو
اقرب للتقوی واتقوا
اللہ ان اللہ خبیرٌ بِمَا
تعملون؛

اے ایمان والو اللہ کے لئے
پوری پابندی کرنے والے
انصاف کے ساتھ شہادت
ادا کرنے والے رہو اور کسی
خاص لوگوں کی عداوت تم کو
اس پر باعث نہ ہو جائے کہ تم
عدل نہ کرو، عدل کیا کرو کہ وہ
تقویٰ سے زیادہ قریب ہے،
اور اللہ سے ڈرو بلاشبہ
اللہ کو تمہارے سب اعمال کی
پوری اطلاع ہے۔

وکذالک جعلناکم
اُمّۃ وسطاً لتکونوا

ہم نے تم کو ایسی ہی ایک جماعت
بنا دی ہے، جو نہایت اعتدال
پر ہے، تاکہ تم لوگوں کے مقابلہ

شهداءعلی النّاس ۔ | یں گواہ ہو ۔

عربوں کی فتح وکامرانی اور تبلیغ اِسلامی کی نشرو اِشاعت کا راز محض لوگوں کے عقائد وخیالات، اور ان کے نفوس میں تغیر و اِنقلاب برپا کردینے میں مضمر تھا، اگر آنحضور صلعم کی یونیورسٹی کے تاثرات و تعلیمات سے لوگ فارغ ہوکر نہ نکلتے، قیادت وہدایت کی تعلیم نہ پاتے، تو اسلامی فتوحات جزیرۂ عرب سے تجاوز نہ کرتیں، اور ان کے آثار آنحضرتؐ کی وفات اور فتنۂ ارتداد کی وجہ سے مٹ گئے ہوتے، لیکن نوجوانانِ اسلام جن کے دلوں کو دعوت محمدی نے جلا اور روشنی بخشی تھی جو آپ کے فیض سے مستفیض ہوئے تھے، آپ کی وفات کے بعد تیس سال تک برابر اپنے اسلامی فیوض کے چشمے بہاتے رہے، خلفاء راشدین میں ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ اور علیؓ اس کی بہترین مثال ہیں ۔

فرزندانِ اِسلام کے تاثرات واحساسات کو جو دعوت محمدیؐ نے ان کے نفوس کے اندر پیدا کئے تھے ظاہر اور روشن کرنے کے لئے، جنھوں نے اپنے آباء واجداد، خاندان اور رشتہ داروں سے اپنے عقاید کے سلسلہ میں مخالفت کی اور حبشہ ہجرت کی، اور ان کی بے باکیوں کو نمایاں کرنے کے لئے ہم جعفر بن ابوطالب کی وہ ولولہ انگیز، اور حقائق آفرین تقریر پیش کرتے ہیں، جو انھوں نے نجاشی کے روبرو کی جس سے اندازہ ہوسکیگا کہ اسلامی دعوت نے حلقہ بگوشانِ اسلام کے دلوں میں کیا اثر پیدا کیا تھا، جس کو اس زمانہ میں نفس دعوت کے اِعتبار سے مہاجرین وانصار نے سمجھا تھا:

یہ تمام مذکورۂ بالا اشخاص، جن میں مرد اور عورتیں بھی تھیں، جو قریش کے مختلف قبیلوں، دشمنانِ اسلام کے رشتہ داروں، اور مکّہ کے بڑے بڑے اشخاص کے خاندان سے تعلق رکھنے والوں میں سے تھے :

رسول اللہ صلعم کے اشارہ سے ہجرت کر گئے، مکّہ والوں نے ان کے پیچھے اپنے لیڈر عمرو بن عاص اور عبد اللہ بن ربیعہ کو نجاشی اور درباریوں کے لئے ہدایا، اور تحائف دے کر روانہ کیا، اور یہ وصیت کی کہ پہلے ان تحفوں کو ہر درباری کے سامنے پیش کریں، پھر نجاشی کی خدمت میں پیش کر کے ان لوگوں کو سپرد کرنے کے لئے درخواست کریں، چنانچہ انھوں نے اہل مکّہ کی ہدایات کے مطابق درباریوں کو ہدایا پیش کئے، اور ہر ایک سے کہا کہ بادشاہ کے ملک میں چند نادان لوگ اپنی قوم کے دین سے منحرف ہو کر چلے آئے ہیں، تمہارے دین میں بھی وہ داخل نہیں ہیں، بلکہ انھوں نے ایک نیا دین جس کو ہم اور تم نہیں جانتے ہیں اختیار کر لیا ہے؛ اس لئے ان کی قوم کے اشراف، ان کے خاندان، رشتہ داروں، ان کے چچاؤں، اور ماموں نے ہمیں بھیجا ہے، تاکہ ان کو واپس لے آئیں، جب ہم بادشاہ سے اس معاملہ میں گفتگو کریں تو تم مشورہ دیں کہ وہ ان کو ہمارے سپرد کر دے، اور ان سے کسی قسم کی گفتگو نہ کرے، کیونکہ ان کی قوم ان سے افضل ہے، اور ان کی عیب جوئی سے واقف ہے، ان درباریوں نے اس کو قبول کر لیا، پھر ان دونوں نے نجاشی کی خدمت میں جا کر تحفے تحائف پیش کئے اور جو درباریوں سے کہا تھا، اس سے بھی وہی عرض کیا، درباریوں نے ان کو ان کے سپرد کر دینے کے متعلق مشورہ دیا، لیکن نجاشی نے انکار کر دیا۔

جب تک مہاجرین کے مقصد کو نہ سن لے اس وقت تک فیصلہ نہیں ہو سکتا انھیں مدعو کیا اور پوچھا کہ تم نے اپنی قوم کے دین سے کیوں علیحدگی اختیار کی، اور کس لئے میرے دین میں یا کسی اور دین میں داخل نہیں ہوئے، سبھوں نے جعفر بن ابو طالب کو اپنی طرف سے جواب دینے اور تقریر کرنے کے لئے انتخاب کیا، چنانچہ انھوں نے کھڑے ہوئے اس طرح حقائق پرور اور بصیرت افروز تقریر کی

اے بادشاہ ہم جاہل تھے، بتوں کی پرستش کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، برائیوں میں مبتلا تھے، ایک دوسرے کی رشتہ داری کو توڑ دیتے تھے، ہمسایہ پر ظلم وستم ڈھاتے تھے، توانا شخص کمزوروں کو کھائے جاتا تھا، غرض کہ ہم ان ہی گمراہیوں اور تاریکیوں میں مبتلا تھے، کہ خدا نے ہماری ہدایت و رہنمائی کے لئے ہمیں میں سے ایک رسول بھیجا، جس کے حسب و نسب، صداقت و دیانت، اور پاکدامنی سے ہم خوب واقف ہیں، اس نے ہمیں خدا کی توحید اور اس کی عبادت کی طرف بلایا، بتوں، پتھروں کو پوجنے سے جس کی ہم اور ہمارے آباء واجداد عبادت کرتے تھے منع کیا، سچائی، نیکی، راستی، امانت، صلہ رحمی، ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک و معاملہ کرنے کا حکم دیا، قتل وخونریزی ظلم وجور، لوٹ مار، شراب نوشی، زناکاری، پاک دامنوں پر بہتان باندھنے، یتیموں کا مال کھانے، جھوٹ بولنے سے منع فرمایا، کفر و بت پرستی سے روکا، وحدانیت، نماز روزہ زکوٰۃ، اور روزہ کا حکم دیا، ہم نے اس کی تصدیق کی، اس پر ایمان لے آئے، اور اس کے احکام کی پیروی کی، اس کی حلال وحرام کردہ چیزوں کو صدق دل سے مانا۔

ہماری قوم نے ہم پر مظالم ڈھائے، زیادتیاں کیں، ہم کو طرح طرح کے عذاب اور اذیتوں میں مبتلا کیا، ہمارا گلا گھونٹ دیا، اور ہم پر اپنا عرصۂ حیات تنگ کر دیا، ہم آپ کے ملک میں پناہ ڈھونڈھنے کے لئے مجبور ہو کر آگئے ہیں، ہم اُمید کرتے ہیں کہ اے بادشاہ سلامت آپ ہم پر ظلم نہ کریں گے؛

نجاشی نے کہا، تمہارے پاس کوئی اللہ کی اُتری ہوئی نشانی ہے، جعفرؓ نے کہا ہاں، قرآن کی آیات موجود ہیں، اس نے کچھ آیتیں تلاوت کرنے کا حکم دیا، تو جعفرؓ نے کھٰیٰعص کی اِبتدائی آیتیں پڑھیں، نجاشی بے اِختیار رونے لگا، اور کہا یہ تو وہی چیز ہے جس کو عیسیٰ بن مریم نے پیش کی تھی؛

یہ وہ تبلیغ و دعوت ہے جس کو اس زمانہ کے اِسلامی فرزندوں نے سمجھا تھا، اسی کا اثر ہے کہ ایک قریشی نوجوان بے خوف و خطر بادشاہ سے خطاب کرتا ہے.

جعفرؓ کی اِس جامع تقریر میں، دعوت محمدیہ کی اور آنحضرت ؐ کی سوسائٹی کی جیتی جاگتی تصویر ہماری نظروں کے سامنے آجاتی ہے جس طرح آپ کی دعوت نے سوسائٹی میں ایک اِنقلاب پیدا کر دیا تھا، اِسی طرح افراد کی زندگی میں ایک ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا جس کو نہ عرب جانتے تھے اور نہ جس سے عجمی لوگ واقف تھے۔

یہ جدید انقلاب، یہی رسالت محمدیہ اور اس کا تحیر خیز اثر ہے کہ جس نے عرب اور دوسری قوموں کی حالت کے نقشہ کو بدل کے

رکھدیا، جس کے اثرات وعلامات، ابدآلآباد تک صفحۂ ہستی پر نمایاں طور پر نظر آتے رہیں گے۔

مشہور و معروف مصنف "حیل" کے قول کے مطابق، اِس دعوت نے افراد میں اپنی روح پھونک کر، ان کو ایک متحدہ قومیت کے سانچہ میں ڈھال دیا، اور ان کے دلوں میں عظمت و خلوص کا جذبہ بھر دیا، اِتحاد و اِتفاق سے عرب کی قوم نا آشنا تھی، اگر یہ چیز ان کے اندر پائی بھی جاتی تھی تو ایک قبیلہ اور خاندان تک ہی محدود تھی، فخر و غرور، جاہ و مال، حسب و نسب پر ناز کرنا، ان کی زندگی کے لوازمات میں داخل ہو گئے تھے، جب دعوت محمّدیہ نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا تو ایک وحدت عربیہ قائم ہو گئی، فقیروں، مالداروں، توانا ؤں کمزوروں میں مساوات قرار پائی؛ مالداروں پر غمخواری فرض ہو گئی، جس پر سوسائٹی کی زندگی کا مدار، اور دولت وسلطنت کا قیام و استحکام موقوف ہے؛

اصول اسلام اور قوانین و نوامیس شرائع نے افراد کی زندگی میں نمایاں اِنقلاب برپا کر دیا، اور ایک نظام اجتماعی قائم ہو گیا۔

علامہ "حیل" اپنی کتاب تمدن عرب میں دعوت محمّدیہ کے تاثرات پر، ان شاندار کلمات سے رقمطراز ہے؛

"تمام ادیان کی تبلیغ نے تاریخ میں بہترین اثرات چھوڑے، ہر نبی اور مبلغ نے اپنی قوم، اور اپنے زمانہ میں تہذیب و تمدن میں گہرا اثر چھوڑا ہے، لیکن اس میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں ہے کہ تاریخ عالم کے صفحات میں اس دین اسلام کے برابر کوئی دین اس سرعت و تاثیر کے ساتھ نہیں پھیلا، تاریخ سے ہمیں پتہ نہیں چلا کہ کوئی مصلح یا مبلغ

اپنی قوم اور زمانہ کا مالک ہوا ہو، جس طرح سے کہ محمد صلعم کو یہ امتیاز حاصل تھا، آپ نے ایک متحدہ قومیت کی روح پھونکی اور دنیا میں خلافت کا حق دلایا مسلمانوں کے درمیان اجتماعیت، مساوات اور عدالت کا سنگ بنیاد رکھا، اور قوموں میں نظم و نسق عزت و اطاعت کی روح پھونکی۔

دعوت محمدیہ کے یہ وہ بعض آثار ہیں جنھوں نے افراد و جماعت کے اندر انقلاب برپا کر دیا، ہم امید کرتے ہیں کہ آئندہ کسی صحبت میں مختلف مباحث پر روشنی ڈالیں گے۔

تمت

نفیس ترین کتابیں

چالیس کروڑ بھکاری۔ ابراہیم جلیس ۲-۱۲
تکونا دیس۔ " " ۲-۱۲
طوفان... رئیس احمد جعفری ۳-۶
سیر افغانستان... سید سلیمان ندوی ۲-۸
اسلام کے سیاسی تصورات... دستگیر رشید ۲-۱۲
داستان کربلا۔ عبدالرحمن سعید ۲-۱۴
حکمت اقبال۔ غلام دستگیر ۴-۰-۰
فکر اقبال " " ۴-۰-۰
تصورات اقبال۔ شاغل فخری ۳-۶
فلسفہ عجم۔ علامہ اقبال ۳-۲
کوہ نور کی سرگذشت۔ ۔ ۱-۴
قائد ملت نواب بہادر یار جنگ مرحوم ۲-۱۲
تاجدار دو عالم۔ مترجمہ ظہوری ۲-۱۲

جہان آرزو۔ آرزو لکھنوی ۲-۱۲
غبار۔ قیسی رامپوری ۲-۱۲
ضربیں۔ " ۳-۰-۰
سرنوشت۔ مجنوں گورکھپوری ۲-۰-۰
ذکر جمیل۔ ماہر القادری ۱-۱۲
ہچکیاں۔ صدیقہ بیگم سیوہاروی ۳-۴
ناتسیت۔ شاہد رزاقی ۲-۱۲
آج کل کے رومان ' افسانے ۲-۱۲
قائدین کے خطوط جناح کے نام۔ ۲-۰-۰
معاشیات پاکستان۔ علامہ عبدالقدوس ہاشمی ۱-۸
مقالات جمال الدین افغانی۔ رفعت ۳-۸
نئے ادبی رجحانات۔ سید اعجاز حسین ۳-۸
مقام جمال الدین افغانی۔ مبارز الدین رفعت ۳-۰